# شکست کے بعد

کرشن چندر ایم اے

بک کارنر اینڈ میوزک [illegible]
فون نمبر ۲۸۸۵ چوک فیصل شہید جہلم شہر

# افسانے کی موت

بُجھ گیا وہ دیا
بزمِ افسانہ میں
روشنی جس کی تھی

گنگ ہے وہ زباں
جو سُناتی رہی
داستانیں ہماری ہمیں رات بھر

رُک گیا وہ قلم
جس سے بہتا رہا
ابنِ آدم کے زخمی جگر کا لہو

بند آنکھیں ہیں وہ
دیکھتی جو رہیں
روز و شب
خواب عظمت کے انسان کی

تھم گئیں دل کی وہ دھڑکنیں
جن پہ تھا
آمدِ حُسن کی آہٹوں کا گماں

سو گیا آج وہ
جو حکایاتِ رنگیں سُناتا رہا
آئینہ زندگی کو دکھاتا رہا
صُبحِ فردا کے نغمات گاتا رہا
سو گیا خود
ہمیں جو جگاتا رہا

مر گیا وہ
مگر اُس کا فن زندہ ہے
حُسن تابندہ ہے
عشق پائندہ ہے

کل بھی تھی گرم افسانوں کی انجمن
آج بھی گرم ہے
اور کل بھی رہے گی یونہی گرم وہ

مس رافعہ

زہر تراشنے اور چبھن کو الفاظ
میں مقید کرنے والے کرشن چندر
کا دل گداز ناول ،
ایک امریکی دوشیزہ کی
محبت کا افسانہ

# جامعِ کمالات عظیم فنکار

۱۹۷۷ء

فن کی رادھا کا کنھیا مر نہیں سکتا کبھی
موت اُس کے نام کو کچھ اور زندہ کر گئی

شخصیت اُس کی ہوئی ہے جاوداں تحریر میں
رنگ ہے اُس کے لہو کا حرف کی تصویر میں

وہ نہیں ہے، اُس کے فن کی شمع روشن ہے یہاں
اُس کی عظمت کے فسانے داستاں در داستاں

اُس کا افسانہ ہے فنِ داستاں کی آبرو
اُس کا اندازِ بیاں اُردو زباں کی آبرو

ہر طرف سے جب زباں پر یورشِ آفات تھی
شمعِ اُردو کے لیے فانوس اُس کی ذات تھی

'ان داتا' 'کالو بھنگی' 'آدھے گھنٹے کا خدا'
ایسے افسانوں سے قد اُردو کا اونچا ہو گیا

ہر فسانا اُس کے دل کے سوز کی تصویر ہے
زیست کی تفسیر ہے، تنقید ہے تعبیر ہے

عظمتِ حسنِ حقیقت داستاں کو دے گیا
اپنے دل کا درد وہ اردو زباں کو دے گیا

وہ بظاہر اب نہیں — اُردو کی ہر محفل میں ہے
اُس کے افسانے زباں پر یاد اس کی دل میں ہے

# آہ کرشن چندر

برصغیر ہند و پاک کے ممتاز و نامور ادیب کرشن چندر ۸ مارچ ۱۹۷۷ء کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ دستِ قضا نے ایک ایسا خوبصورت پھول توڑ لیا جس کی خوشبو سے گلشنِ ادب کا گوشہ گوشہ مہک رہا تھا جس کی ضوفشانی سے آسمانِ ادب جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ موت کی بے رحم اور شعلہ بار زبان نور کا وہ ستارہ چاٹ گئی جس سے حیاتِ ادب کا آنگن روشن تھا۔

کرشن چندر کی موت کے ساتھ اُردو ادب لہجے کی اس منفرد شگفتگی، اسلوب کے اس دلآویز حسن اور طنز و مزاح کی اس معصوم شوخی سے محروم ہو گیا جو آنجہانی کی تحریروں کا طرۂ امتیاز تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے کرشن کی موت نے عروسِ ادب کی مانگ کا سیندور اجاڑ دیا ہے، اس کے ماتھے کا جھومر گرا دیا ہے اور اس کے صندلی ہاتھوں کی چوڑیاں ریزہ ریزہ کر دی ہیں۔ دل مغموم، بوجھل اور افسردہ ہے۔ آنکھیں متحیر اور اشکبار ہیں۔

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند ادب کی تحریک نے برصغیر میں جن شاعروں اور ادیبوں کو جنم دیا ان میں کرشن چندر بلاشبہ سب سے نمایاں اور سب سے مقبول حیثیت کا مالک تھا۔ اس نے اُردو افسانے، ناول اور ڈرامے کو ایک نیا لہجہ، ایک نیا اسلوب اور ایک نیا آہنگ دیا تھا جس میں اُردو ادب کی قدیم روایات کا رچاؤ بھی تھا اور نئے ادب کے جدید تقاضوں کا بھرپور عکس بھی۔ اس کی نگارشات میں نہ صرف اندازِ بیان کا نیاپن تھا بلکہ وہ موضوعات کے تنوع سے بھی معمور تھیں۔ اسے زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ خوش رنگ و خوش آہنگ الفاظ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے جنھیں وہ اپنی تحریروں میں اس طرح سموتا چلا جاتا تھا کہ پڑھنے والا ایک فرحت بخش سحر زدگی کے عالم میں اس کے قلم کے ساتھ ساتھ بہتا چلا جاتا تھا۔

کرشن چندر نہ ہندو تھا نہ مسلمان تھا۔ نہ وہ سکھ تھا اور نہ وہ عیسائی تھا۔ وہ ایک ایسا عظیم انسان تھا جس کا دل رنگ و نسل و مذہب سے بالاتر ہو کر صرف انسانیت کی محبت اور انسانیت کے درد سے دھڑکتا تھا۔ اس کے افسانوں، ناولوں اور ڈراموں میں ہر مذہب اور ہر رنگ کے کردار ملتے ہیں۔ اس کا دل ان سب کے دُکھ کی کسک یکساں محسوس کرتا تھا۔ اس کا ذہن اور اس کا قلم ان سب کی مظلومیت کا ترجمان تھا۔ وہ باسٹھ سال جیا اور اس زندگی کے ایک ایک لمحے میں وہ ساری انسانیت کی خوشحالی کے خواب دیکھتا رہا۔ آخری وقت تک اس کا قلم ظلم و جبر و استحصال کے خلاف جہاد کرتا رہا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی شہرت و مقبولیت ہندوستان کی جغرافیائی حدود میں محصور نہیں رہی۔ اس کے پڑھنے اور چاہنے والوں کا حلقہ پوری دنیا پر محیط ہے۔ اس کی نگارشات کا ترجمہ بے شمار غیر ملکی زبانوں میں ہو چکا ہے عالمی سطح پر اس کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے روس نے اسے ۱۹۶۶ء میں ادبی انعام دیا اور بھارت نے اسے ۱۹۶۹ء میں پدم بھوشن کا اعزاز بخشا۔

کرشن چندر ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکا ہے۔ لیکن اپنی لازوال تحریروں کا ایک ایسا گرانقدر سرمایہ چھوڑ گیا ہے جس پر اُردو ادب اور ہم ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے اور ادبی سفر کی شاہراہ پر چلنے والے مسافر اس کی کتابوں کے مینار کی روشنی سے اپنی منزلوں کے سراغ پاتے رہیں گے۔ ؎

داغ ہی کے دم سے تھا لطفِ سخن
خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

**اہتمام : شاہد حمید، شفیق الرحمٰن**

**طابع : محمد شریف طفیل پرنٹرز**

اندھیرا زیادہ ہے اور میرے دماغ میں چیونٹیاں بھر گئی ہیں۔ شاید ہزاروں، لاکھوں ننھی منی چیونٹیاں میرے دماغ کے خلیوں میں رینگ رہی ہیں۔ میرا دماغ شہد کا ایک چھتہ ہے جو میرے جسم سے لٹکا ہوا ہے۔ وہ کالی سانولی مٹیالی چیونٹیاں لاکھوں کروڑوں ایک دوسرے پر پل پڑتی ہوئی میرے دماغ کے ہر حصے میں پہنچ گئی ہیں اور اب وہ اپنے ننھے منّے ڈنک اٹھا کر میرے دماغ کو کھا رہی ہیں۔ ایک ساتھ ایک لاکھ سوئیاں چبھ رہی ہیں ——— اُف!

کنول نے گھبرا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی لمبی لمبی بے چین انگلیاں اس کے گھنے بالوں میں گھومنے لگیں اور کنول کو محسوس ہوا جیسے اس کی انگلیوں پر بھی وہی چیونٹیاں چڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ گھبرا کر اس نے ہاتھ جھٹک دیئے۔ ایک لمحہ کیلئے ایک سو یا ایک ہزار چیونٹیاں اس کی

انگلی سے اتر کر فرش پر گر گئیں۔ اور اب فرش پر چلتی ہوئی، اپنی ننھی منی کالی ٹانگوں سے چلتی ہوئی اب وہ اس کی ٹانگوں کی طرف آرہی تھیں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے لمحوں میں اس کے پیروں پر چڑھ آئیں گی اور پھر اس کے سارے بدن پر رینگنا شروع کر دیں گی۔ اس کے جسم کا کوئی کونہ ان چیونٹیوں کی زد سے نہیں بچے گا۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھ بیٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا اور کھڑکی کے پٹ کھول دیئے۔ برفیلی ہوا کا ایک تیز جھونکا اندر آیا اور اس کے دماغ کی ساری چیونٹیوں کو اڑا کر لے گیا۔ وہ سب چلی گئیں تھیں۔ اس کے دماغ سے، ہاتھوں سے، ہاتھوں کی انگلیوں سے، فرش سے، پاؤں سے اب کہیں ایک بھی چیونٹی نہیں رینگ رہی تھی۔ سب گئیں، اسے یکایک بڑا اطمینان سا ہوا۔ اس نے برفیلی ہوا کا ایک لمبا سا گھونٹ بھرا۔ اسے اپنے پھیپھڑوں میں اتار دیا۔ پھر کچھ دیر روک کر باہر نکال دیا۔ اب اس کے پھیپھڑے بھی صاف تھے۔ جسم ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ریت میں دبے ہوئے کاغذ پر سے ریت اُڑ جائے۔

چند لمحے وہ اس کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے پھڑ پھڑاتا رہا اور کانپتا رہا اور کنگسٹن گارڈن کی زرد پتیوں کو لرزتے دیکھتا رہا۔ یہ روشنیاں جو رات کے اندھیرے میں گرجے میں مصروفِ دعا راہباؤں کے پیلے پیلے چہروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ لندن کا یہ حصّہ کولابہ کی ایک گلی معلوم ہوتا ہے رات

ہیں بہت سے شہر ایک سے لگتے ہیں۔ بہت سی عورتیں ایک سی لگتی ہیں۔ وہی سانولے سیمنٹ کی سطح، کول تار کا بلو بلیک، کناروں پر لوہے کے کھمبے روشنی کی قندیل سے لے کر جھکے ہوئے ایک ہی جگہ کھڑے ہوئے۔ کوئی شرابی گھر جاتا ہوا، کوئی بابی ٹہلتا ہوا، کوئی چور مال سمیٹ کر پھسلتا ہوا، کوئی اخبار گاڑی دنیا بھر کی گندی خبروں کا کچرا لادے گزر رہی ہے۔ اس نے اس کو قتل کر دیا۔ اس ملک نے اس ملک پر حملہ کر دیا۔ اتنے زلزلے آئے، کتنے ہوائی جہاز سے مرے چالیس سالہ مسز روبی کینیتھ ایک اٹھارہ سالہ لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی اور وہ عورت جو پچیس سال سے اپنے خاوند کے ساتھ رہ رہی ہے وہ خبر نہیں ہے۔ وہ کلرک جو پینتیس برس سے اپنے دفتر میں بڑی دیانتداری سے کام کر رہا ہے وہ خبر نہیں ہے۔ کوئی اچھی خبر، خبر نہیں ہے، صبح کا اخبار دیکھ کر ناک پر رومال رکھنے کو جی چاہتا ہے۔

کنول کا سارا بدن برفیلی ہوا میں سن ہو گیا تھا۔ ہولے سے اس نے کھڑکی بند کر دی۔ اور پھر واپس بستر پر آ گیا جہاں ایک کونے میں جولی بے خبر سو رہی تھی۔ جولی بہت بے خبر سوتی تھی۔ ایسی گہری نیند کہ اگر آپ اس کو قتل بھی کر دیں تو اُسے خبر نہ ہو۔ کئی بار کنول نے جولی کو گہری نیند کا آسرا لے کر قتل کرنے کو سوچا بھی تھا۔ کتنا آسان ہو گا جولی کا قتل کر دینا۔ اُسے معلوم بھی نہ ہو گا جب وہ آنکھ کھولے گی تو دوسری دنیا میں ہو گی۔ کیسی حیران ہو گی وہ اس وقت کنول

جولی کے چہرے پر پھیلتی ہوئی حیرت کا اندازہ کر کے مسکرانے لگا۔ جولی خواب میں بڑبڑائی۔ کنول نے ہاتھ بڑھا کر جولی کو ذرا تھپک دیا۔

باہر کی روشنی کا ایک لہریہ جولی کے چہرے سے گزر گیا۔ مگر کنول کے ذہن میں وہ چہرہ ابھی تک اسی طرح چمک رہا تھا۔ کسی چھوٹے سے لڑکے کی جیب میں کانچ کے بنٹے کی طرح، اس نے جولی کے چہرے کو کانچ کے بنٹے کی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مکمل چہرہ، یونانی اقسام کے خدوخال، حالانکہ جولی قطعاً یونانی نہیں تھی۔ اینگلوسیکسین تھی اور اگر وہ زندہ نہ ہوتی۔ تو اس وقت بستر پر اُسے یوں لیٹے دیکھ کر اس کے چہرے اور اس کے بدن کی مناسبت اور توازن پر غور کر کے یہی گمان ہوتا کہ یہ کوئی عورت نہیں ہے کسی پرانے یونانی صنم گر کا شاہکار ہے۔ جلد سنگ مرمر کی طرح سپید اور اسی طرح ملائم اور اتنی ہی سخت، کنول جولی کے بدن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگا۔ گوشت تو نرم ہوتا ہے اور کمزور ہوتا ہے مگر اس کی جلد کے اندر پتھر کی سختی کی ظالمانہ صفت موجود ہے جیسے جولی کی جلد نے اس کے دل کی کٹھورتا مستعار لے لی ہو۔ لیکن شروع شروع میں اسی چہرے نے اُسے ڈس لیا اسی بدن کے خطرناک خم اس کے ذہن کو ڈس گئے تھے۔

اُسے وہ رات یاد تھی۔ ہنری کو ٹیٹ برن نے اُسے اپنی پینتیسویں سالگرہ پر اپنے فلیٹ میں مدعو کیا تھا۔ وہ سینٹ جارجز ہسپتال

ین نفسیاتی علاج کے عہدے پر کام کرتا تھا اور اسی اسپتال میں کنول بھی پلاسٹک سرجری کے شعبے کا ایک ڈاکٹر تھا۔

ہنری بہت خوبصورت اور وجیہہ تھا۔ اور ماہر نفسیات ہونے کی وجہ سے لندن کے اونچے اونچے گھروں تک اس کی رسائی تھی اور خوبصورت اور کنوارا ہونے کی وجہ سے بہت سی عورتیں اس پر مرتی تھیں۔ ہر بات کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ اور بغیر وجہ کے کچھ نہیں ہوتا۔ محبت بھی نہیں ہوتی۔ آسمان بھی نظر نہیں آتا۔ گیت بھی نہیں سنائی دیتے، پھول بھی نہیں مہکتے۔ روٹی بھی نہیں ملتی، موت بھی نہیں آتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

کنول نے سوچا، کہیں پر تو کوئی دنیا ایسی ہونی چاہیئے جہاں یہ سب کچھ بلا وجہ ہوتا ہو۔ دوستی بلا وجہ، محبت بلا وجہ ...... سورج پر ہاتھ رکھ دو تو ٹھنڈی اور ملائم روشنی بارش کی پھوہار کی طرح پھوٹ کر بہہ نکلے، دل کو جلانے والی گرم روشنی نہیں، ٹھنڈی اور ملائم جیسے کبھی جولی کی مسکراہٹ ہوا کرتی تھی۔ جانے اب جولی کو کیا ہو گیا ہے؟

سالگرہ کی اسی پارٹی میں ہنسی ٹھٹھول اور ہڑ لونگ سے بھری پری پارٹی میں ہنری نے اس کا جولی سے تعارف کرایا تھا۔ بالکل سرسری تعارف کیونکہ ان دنوں جولی ہنری کی خاص دوست تھی، وہ کسی صابن بنانے والی کمپنی کی ماڈل گرل تھی۔ شیبن شمپو کے اشتہاروں میں جولی کی تصویر وہ اکثر

رسالوں میں دیکھ چکا تھا۔ ان دنوں جولی کے بال واقعی خوبصورت تھے وہ
فرصت کے اوقات میں فوٹو گرافروں کی ماڈل گرل بھی تھی۔ اب اس نے
صابن بنانے والی کمپنی سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ اور فری لانس ماڈل ہوگئی تھی اور
فلموں میں بھی اُسے کام ملنے لگا تھا۔ ایک جگہ بھی اس کے پاس آگئی تھی کپڑوں
کا وارڈ روب بہت عمدہ رکھتی تھی۔ اس وقت وہ ایک یاقوت کی طرح جگمگا
رہی تھی۔ کنول اسے پہلی نظر میں دیکھ کر مبہوت ہوگیا تھا۔ مگر جولی ہیلو کہہ کر اس
کے قریب سے گزر گئی تھی۔ جولی نے اس پر ایسی نگاہ ڈالی تھی۔ جیسے وہ انسان
نہ ہو ناگ پھنی کی جھاڑی ہو۔ اوپری، سرسری، تضحیک اور استہزاء سے چھلکتی
ہوئی نگاہ، جولی کو رنگ کا بڑا لحاظ تھا۔ ہر وہ مرد جس کی جلد کا رنگ گورے
کے سوا کچھ اور تھا، جولی کی نگاہ میں قابلِ ملامت تھا۔

جولی دور سے میری طرف ہنس کر دیکھ رہی تھی اسے اس کے
چاہنے والوں نے اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔ اور کاک ٹیل کے بلوریں جام
آپس میں ٹکرا کر پیانوں کے سروں کی طرح کھنکتے تھے۔ میرا چہرہ لال ہوا جا
رہا تھا۔ شفق پھیلتی جا رہی ہے۔ غصے کی آنکھوں میں سرخ بدلیاں چھلک
رہی ہیں۔ سمجھتی کیا ہے یہ جولی، یہ سفید لڑکی، گورا نہیں ہوں تو کیا ہوا، اتنا
کالا بھی نہیں ہوں۔ گیہواں رنگ ہے میرا، اور ناک نقشہ سنہری سے اگر
اچھا نہیں ہے تو بُرا بھی نہیں ہے بلکہ سنہری کے چہرے میں تو ایک عجیب

پرانے خاندانوں والی نزاکت ہے اور میں چاہوں تو اب بھی دو انگریزوں کے سر توڑ سکتا ہوں۔

دور سے میری اور جولی کی نگاہیں ملتی ہیں۔ دو دشمنوں کی طرح نگاہوں میں خنجر کوند جاتے ہیں۔ تمہاری یہ نازک فائن گلاس کی کانچ کی ڈنڈی کی سی نازک گردن کو میں ایک جھٹکے سے توڑ سکتا ہوں مس جولیا کرامبی، کنول کی نگاہوں کو بھانپ کر کسی موہوم خطرے کا احساس کر کے جولی ہنستے ہنستے یک بارگی رُک جاتی ہے پھر زور زور سے ہنسنے لگتی ہے۔ اس کے چاہنے والوں کا حلقہ اس کے ساتھ ساتھ ہنس رہا ہے ـــ کتّے۔۔۔۔۔ اب اگر اس وقت میرے ہاتھ میں اسٹین گن ہوتی تو سب کو بھون ڈالتا، ایک ایک کو بھون ڈالتا۔ برف کی ڈلیوں پر سنہری وہسکی پھسلتا دیکھ کر میں اپنے گلاس سے ایک گھونٹ پی کر مسکراتا ہوں، کنول پرشاد سکسینہ اس متّمدن، مہذّب اور بظاہر معاشی طور پر امیر، اس متمدن پارٹی میں کھڑے ہو کر تم کیسی خوفناک باتیں سوچ رہے ہو۔ تمہارے چہرے کے بھولے بھالے زاویوں ہونٹوں کی میٹھی مسکراہٹ اور کپڑوں کی شریفانہ سج دھج سے کوئی سوچ سکتا ہے کہ تمہارے اندر کیا قاتلانہ جذبہ کھول رہا ہے۔ ایک فرشتے اور ایک قاتل میں بہت کم فرق ہے، صرف احساس کی ایک پرت کا، یا نگاہ کے ایک خنجر کا، یا جذبے کی ایک دھار کا۔۔۔۔۔ کتنی جلدی انسان بدل اور

پلٹ سکتا ہے۔ اگر اسے اخلاق، سماج، نظامِ زندگی، تعلیم اور تہذیب کے لنگروں سے باندھ کر نہ رکھا جائے، تو وہ جانور ہے بالکل جانور ہے ابھی تک۔۔۔۔!

کنول کے جسم میں ایک ہلکی سی جھرجھری سی آئی۔ اس نے ایک گھونٹ اور لیا اور ایک پتلے بلیڈ کی طرح کمرے کی بھیڑ کو چیرتا ہوا جولی تک پہنچ گیا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ "آپ کیلئے ایک ٹیلی فون کال ہے۔" اور جب جولی اس کا سرسری شکریہ ادا کر کے دوسرے کمرے میں جانے لگی جہاں ٹیلی فون رکھا تھا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جولی کا سرسراتا ہوا لباس اس کے کانوں میں میٹھی سرگوشیاں کر رہا تھا۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر جب جولی نے ٹیلی فون کے چونگے پر ہاتھ رکھا تو اس وقت تک کنول اُسے اپنے بازوؤں میں لے چکا تھا۔!

اس نے آہستہ سے جولی سے کہا، "ٹیلیفون پر کوئی نہیں ہے۔"

جولی اپنے آپ کو کنول کی باہوں میں پا کر ذرا سا ٹھٹکی پھر پھڑک کر کہنے لگی "مجھے چھوڑ دو۔"

"سنو، باہر سے موسیقی آ رہی ہے۔ ان لوگوں نے ناچنا شروع کر دیا ہے فرض کر لو یہ میرے بدن کی کال ہے۔ کیا تم اسے نہیں سن سکتی ہو۔ وہ ٹیلی فون جو ایک جسم سے دوسرے جسم تک جاتا ہے۔"

"میں ہمیشہ ریسیور نیچے پٹخ سکتی ہوں۔"

" وہ بالکل ٹھیک ہے مگر حقیقت استعارے سے ذرا مختلف ہوتی ہے۔ تم اس وقت میری باہوں میں ہو۔ میں تمہیں اپنی باہوں میں مسل سکتا ہوں اگر تم چیخ ہو گی تو اس وقت سب کے سامنے ایک عجیب و غریب منظر ہو گا۔"

" تم چاہتے کیا ہو ؟ "

" تمہارے ساتھ ایک ڈانس ۔ "

" تو باہر چلو ۔ "

" باہر نہیں، یہیں، سنری کے اسٹیڈی روم میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ جگہ بہت خاموش ہے۔ پردے پڑے ہوئے ہیں، روشنیاں نیلگوں ہیں، تم میری باہوں میں ہو ! "

اس نے چند لمحوں کیلئے اپنی آنکھیں بند کرلیں پھر جیسے اس نے کوئی فیصلہ کرلیا۔ وہ باہر سے آنیوالی موسیقی کی دھن پر میری باہوں کے ہالے میں ناچنے لگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ٹھنڈی اور سرد مہر کاٹھ کی پتلی، موسیقی کی ڈور سے بندھی بندھی میری باہوں میں ہل رہی تھی ۔

" ہیلو آلس برگ ! " میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا کچھ نیلی اور کچھ سبزی مائل آنکھیں ۔ میرے پاس ایسی ہی آنکھوں والی ایک بلی تھی ۔ " میں نے جولی سے کہا۔

جولی خاموش رہی ۔

"ہنری تم سے شادی نہیں کرے گا۔ تم اس کی بارہویں گرل فرینڈ ہو۔"

میں نے اُسے بتایا۔

وہ پھر بھی خاموش رہی۔

"دس منٹ کا لمبا ریکارڈ ہے میں نے خود ریکارڈ پلیئر پر لگایا ہے ایسا لمبا ڈانس خاموشی میں کیسے طے ہوگا۔ جولی ڈارلنگ تمہارا کاٹھ کا بدن میری بانہوں میں صلیب کی طرح لٹک رہا ہے۔ کچھ تو پگھلو اندر سے چاہے نفرت کرتی رہو۔ باہر سے مسکراتی رہو۔ صرف دس منٹ کے لئے کسی دوسرے جذبے کا غلاف اوڑھ لو۔ کوئی دوسرا لباس، دس منٹ کے بعد اسے اتار پھینکنا۔ مگر یہ دس منٹ تو میرے اچھے گزر جائیں گے۔ وہ خوبصورت جھوٹ جس کا نام تہذیب ہے اسے آخر انہی لمحوں کیلئے تو رکھا جاتا ہے۔ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ میں تم سے، تم سے نہیں، تمہارے اندھے جذبے سے، تمہارے بدن سے نہیں تمہاری خوبصورتی سے نہیں، تمہاری جوانی سے نہیں، تمہارے بالوں کی مہک سے نہیں، تمہارے ڈولتے ہوئے حسن سے نہیں، تمہاری خالی کھوپڑی سے جو ہر اس انسان کو حقیر سمجھتی ہے، اپنے سے کمتر اور جاہل اور رذیل جس کا رنگ تم سے مختلف ہے۔ بظاہر اس قسم کی کوئی بحث میرے اور تمہارے درمیان نہیں ہوئی۔ مگر میں نے تو وہ نگاہ بھی سن لی جو پہلی بار تم نے مجھ پر ڈالی اور میں اس نگاہ کی بے عزتی برداشت نہ کر سکا۔ آخر نگاہ بھی بولتی ہے۔ چہرے

کا غم بولتا ہے ماتھے کی شکن بولتی ہے تم ضرور چاہتی ہو کہ یہ دس منٹ دو منٹ میں طے ہو جائیں مگر یہ بہت مشکل ہے ناممکن ہے دس منٹ دس منٹوں میں ہی ختم ہوں گے۔ وقت کا ایک ایک ثانیہ اپنی باری پر تربیت یافتہ فوجیوں کیطرح مارچ پاسٹ کرے گا۔ ہر حرکت اپنی جگہ مخصوص اور اٹل ہے۔ وقت اس دھن کی لے کیطرح ہے۔ یہ لے کبھی نہیں بدلتی..... وقت کبھی نہیں بدلتا۔ صرف وہ بدلتے ہیں جن کو وہ چھوتا ہے۔ دیکھو! تم میری بانہوں میں ہو اور ہم دونوں وقت کی بانہوں میں، دس منٹ کے بعد ہم دونوں دس منٹ اور بڈھے ہو جائیں گے۔ دس منٹ اور موت کے قریب، اس لئے یہ دس منٹ بھی کیوں غم و غصے میں گزاریں۔ آؤ! گرماؤ، پگھلو، مسکراؤ، چلو مجھ سے الگ رہ کر محض ڈانس کے ردم ہی کا مزا لو..... جیسے مصوّر محض رنگ سے، شاعر محض لفظ اور ڈاکٹر محض عارضے کی کیفیت سے مزہ لیتا ہے۔"

جولی نے کچھ نہ کہا۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کرلیں اور پھر ایک زور کی چیخ ماری.....

ایک لمبی، لمبی، لمبی چیخ، پتنگ کے دھاگے کی طرح دور تک کھنچی ہوئی جسم و جان کی پوری طاقت لگا کر اپنی آواز کی پوری قوت استعمال کر کے گلے سے باہر دھکیلی ہوئی چیخ کنول پر پھٹ پڑی۔ ایک سپر سانک چیخ آواز کی حدوں کو توڑتی ہوئی اس کے اردگرد لہریئے اور بھنور سے بناتی

ہوئی، جیسے وہ اُس میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ پھر یکایک اس کے گال پر ایک زور کا گھونسہ پڑا اور جب وہ چکرا کر پیچھے ہٹا تو اس نے دیکھا کہ تین انگریز اس کے سامنے کھڑے غصے سے اُسے گھور رہے ہیں۔!

"ڈرٹی نگر —"

"ہندو نیٹو —"

"بلاسٹ ہم . . . . یہ بلبلی میری وائف کے ساتھ ڈانس کر رہا ہے۔"

"تمہاری وائف؟" پہلا انگریز حیرت سے بولا۔ "یہ تو میری وائف ہے۔"

"تمہاری وائف؟" دوسرے انگریز نے پہلے انگریز کی طرف دیکھ کر تعجب سے کہا۔ "یہ تو میری وائف ہے۔"

تیسرا انگریز پہلے دو انگریزوں سے کہنے لگا۔ "آپ دونوں ضرور کسی بھاری غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ جولی درحقیقت میری بیوی ہے۔"

وہ تینوں حیرت اور حماقت کے مجسمے بنے ہوئے جولی کو تک رہے تھے، جو دیوار سے لگی لگی ہانپ رہی تھی اس کا چہرہ سپید ہو گیا تھا لیکن رخساروں پر غم اور غصے کے دو شعلے بھڑک رہے تھے۔

پھر ان تینوں انگریزوں کی نظریں جولی سے ہٹ کر کنول پر جم گئیں کنول نے گھونسہ کھانے کے باوجود مسکرانے کی کوشش کی۔

یہ انگریز جب چاہتے ہیں بلاوجہ بدتمیز بھی ہو سکتے ہیں ۔" یہ بلڈی انڈین کیا کر رہا ہے یہاں ؟"

" یہ معلوم کرنے سے پہلے آپ لوگوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ جولی آپ تینوں میں سے کس کی بیوی ہے ؟ بہتر ہوگا کہ آپ لوگ ٹاس کر لیں ۔" ان لوگوں کی نظریں کنول سے ہٹ کر جولی پر گئیں، وہاں سے ہٹ کر کنول پر، کنول سے ہٹ کر وہ تینوں انگریز پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ۔ وہ تینوں ایک دوسرے کے قریب کھڑے آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورہ کر رہے تھے۔

" پہلے اِسے باہر پھینک دینا چاہیئے ۔"

ایک انگریز نے مشورہ دیا۔

باقی دو نے سر ہلا کے اس تجویز کی تائید کی.

اب وہ تینوں کنول کی طرف بڑھ رہے تھے ..... کنول نے سوچا انگریزوں میں قومی یک جہتی بہت زیادہ ہے اور ان کی یہ ادا مجھے بہت زیادہ پسند ہے ۔ اس خصوصیت نے غالباً انھیں کامیاب سامراج تعمیر کرنے میں بھی مدد کی ہوگی ۔ اب اگر یہ لوگ ہندوستانی ہوتے تو اس وقت ان تینوں میں جولی کیلئے جوتا چل گیا ہوتا۔ مگر یہ تینوں انگریز تھے اور جولی پر جھگڑا کرنے سے پہلے مجھے باہر پھینکنے کیلئے میری طرف بڑھ رہے تھے ۔ سینے تان کر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے. کیونکہ میں بھی خاصا،

تگڑا تھا اور ان کے مقابلے کیلئے تیار تھا مگر میں دو کے مقابلے کیلئے تیار تھا اور وہ تین تھے۔ لڑائی تو بہت اچھی ہوئی اور جم کے ہوئی۔ ہنری کی اسٹیڈی کا بہت سامان ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایک انگریز کے گلے میں ایک پکچر کا فریم ہار کی طرح لٹک رہا تھا۔ دوسرے کے سر پر میں نے ہنری کا نیلا لیمپ شیڈ ایک پھندے دار ٹوپ کی طرح پہنا دیا تھا۔ اور خود میرے رخسار پر ایک لال لکیر تھی جو ایک انگریز نے ڈاک کے لفافے کھولنے والی کند چھری کی مدد سے پیدا کی تھی۔ وہ تو میرے رخسار پھاڑ دینا چاہتا تھا مگر آج لفافے کھولنے والی چھری لوہے سے نہیں پلاسٹک سے بنتی ہیں اور پلاسٹک میں وہ بات کہاں جو لوہے میں ہوتی ہے۔ شاید اسی امر نے میری جان بچالی اور اس بات نے بھی کہ ہنری کے اسٹیڈی روم میں کوئی زیادہ خطرناک سامان نہیں تھا۔ بالعموم ماہر نفسیات اپنی اسٹیڈی روم میں ایسی اشیا نہیں رکھتے جو ان کے پاگل یا نیم پاگل مریض ڈاکٹر کے خلاف استعمال کر سکیں پھر بھی اچھی اور صاف ستھری لڑائی ہوئی۔ کیونکہ ہم چاروں کھاتے پیتے عمدہ صحت والے تگڑے نوجوان تھے۔ اور چار پانچ پیگ اندر جا چکے تھے اور لڑکی جس کیلئے ہم سب باؤلے کتوں کی طرح لڑ رہے تھے، سامنے دیوار سے لگی سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ جیسے یہ بیسویں صدی کا کوئی کمرہ نہ ہو، آج سے پچاس ہزار برس پہلے کا کوئی پہاڑی غار ہو۔ ہم لوگ ریچھ کی کھال پہنے ہوئے ہیں اور شکسپیر کو

پیدا ہونے میں ابھی دیر ہے۔ کچھ عرصے تک تو پلّہ برابر کا رہا بلکہ شروع شروع میں تو ان کے چوٹیں بہت آئیں اور وہ لوگ میری مدافعت پر کچھ حیران بھی ہوئے۔ غیروں پر حکومت کرنے کی عادت آسانی سے نہیں جاتی ہے شاید انھوں نے سوچا ہوگا کہ ادہر انھوں نے مُکّہ دکھایا ادہر میں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ کچھ ان کو اس بات کا بھی اندازہ نہیں تھا کہ ایک ہندوستانی ڈاکٹر ہوتے ہوئے بھی عمدہ مُکّہ باز ہو سکتا ہے۔ بہر حال تین تین ہیں اور ایک ایک ہے۔ کچھ عرصے بعد تین افراد کی اَزجی ایک کی ازجی پر غالب آنے لگی۔ پہلے تو کنول لڑکھڑانے لگا۔ پھر چکرا کر گرنے لگا پھر گر گرا اٹھنے لگا۔ پھر بالآخر اپنے گھٹنوں پر ہوگیا۔ وہ لوگ اوپر سے مُکّے اور نیچے سے ٹھوکریں مار رہے تھے۔ پھر جیسے کنول کی آنکھوں میں کسی نے سیاہی انڈیل دی اور وہ تاریکی میں کھو گیا۔

جولی نے بستر پر لیٹے لیٹے اس کی طرف کروٹ لے لی۔ وہ ابھی
تک گہری نیند میں مگر اس گہری نیند میں بھی اس کے ہاتھ کنول کو ڈھونڈ رہے
تھے۔ ایسی گہری نیند میں بھی وہ اس سے غافل نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ سے کنول نے
اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف سرکا دیا۔ جولی کی نیند میں ڈوبی ہوئی انگلیاں کنول
کی انگلیوں پر سرکنے لگیں۔ وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیر رہی تھی۔ جیسے
پالتو کبوتر پر قبضے، پیار اور شفقت کا ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ کنول کے دل میں
بیزاری کی ایک لہر اٹھی مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بغیر کسی
حس و حرکت کے اپنا ہاتھ جولی کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ بستر پر لیٹے لیٹے
اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں .....

پھر جو ایک لمبی سانس لے کر اس نے آنکھیں کھولیں — تو وہ

سینٹ جارج ہسپتال کے ایک بستر پر تھا۔ اس کے سارے جسم پر پٹیاں بندھی تھیں اور اس کے سرہانے قریب ہی ایک کرسی پر جھکا ہوا ہنری برن اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کنول کو ہوش آتے دیکھ کر وہ آہستہ سے مسکرایا۔ بولا۔

" کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا، تمہارا جسم بہت مضبوط نکلا۔ چھ سات دن میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔ "

کنول نے آنکھیں بند کر کے اپنے جسم کا جائزہ لیا ۔ یہ بالکل ممکن ہے۔ کسی ایکسرے کے بغیر اپنے اندر سے بدن کا جائزہ لینا۔ دماغ کے اندر کوئی ایسا بیرومیٹر لگا ہوتا ہے جس سے ہر انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر کی حالت کیا ہے ؟ کنول نے آنکھیں بند کر کے اس بیرومیٹر کا غور سے مطالعہ کیا۔ پھر جب اسے اطمینان ہو گیا تو اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور ہنری کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

" درحقیقت میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ " ہنری نے بستر کی چادر کی ایک شکن کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ " میں جولی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ تم عین وقت پر میری مدد کو آ گئے۔ حالانکہ میں نے یوں نہ سوچا تھا۔ میری اسکیم دوہری ہی تھی۔ مگر تمہاری مداخلت عمدہ رہی، بہت عمدہ رہی۔ "

وہ چپ ہو گیا، کنول سوالیہ نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگا۔

" جولی چاہتی تھی کہ میں شادی کرلوں اس سے ۔" قدرے توقف کے
بعد ہنری اپنی چھنگلیا کی پور کے ناخن کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔
" اور میں ابھی شادی کیلئے تیار نہ تھا۔"
وہ پھر چپ ہوگیا۔ اپنے ناخن کے مطالعے کے بعد اس نے میری
طرف دیکھا اور اس دل کش انداز میں مسکرایا جس پر عورتیں مرتی ہیں۔
" جولیا کرامبی ایک ہی نمبر کی حرافہ ہے۔ وہ اپنے حسن کی قوت،
دائرۂ اثر اور اس کی مار سے بخوبی واقف ہے۔ اس نے تین مختلف
آدمیوں سے شادی کر رکھی ہے اور ہر مرد کو مجبور کر رکھا ہے کہ وہ اس شادی
کو خفیہ رکھے!"
" یہ کیسے ممکن ہے؟"
کنول نے پوچھا۔
" بالکل ممکن ہے پہلی شادی اس نے رچرڈ اسنو کرافٹ سے
کی، میکسکو جا کے، رچرڈ نے سب سے زیادہ چوٹیں تمھیں پہنچائیں، کبھی وہ
ایک عمدہ باکسر بھی تھا۔ دوسری شادی اس نے میک فارلین سے کی، یہ
وہ آدمی تھا جس نے تمہارے رخساروں کو ڈاک کھولنے والی چھری سے
پھاڑنے کی کوشش ناکام کی تھی۔ تیسری شادی اس نے قاہرہ میں کی۔
جیمس کلفٹ سے، جس نے تمھیں سب سے زیادہ ٹھوکریں ماریں جیمس کلفٹ

اور جولی دونوں نے مسلمان ہو کر یہ شادی کی تھی۔ مگر یہ شادی بھی انگلینڈ میں خفیہ رکھی گئی اور یہ شادی پچھلی دونوں شادیوں کی نفی کرتی ہے۔ شادی کے کچھ عرصے بعد جولی کرامبی نے جیمس کلفٹ سے ایک جعلی حلف نامے پر دستخط لے لئے تھے تاکہ جیمس کلفٹ کبھی اس پر زیادہ حق جتائے تو وہ فوراً اس سے الگ ہو جائے۔"

"مگر کیا وہ ان میں سے کسی کے پاس نہیں رہتی تھی ؟"

کنول کی حیرت بڑھنے لگی۔

"جولی ایک اُبھرتی ہوئی فلمی اداکارہ ہے۔ مشہور و معروف ماڈل گرل ہے۔ بہت مصروف رہتی ہے۔ آج یہاں تو کل وہاں، لندن میں اس کے تین گھر تھے۔ دو سال سے وہ اسے نباہ رہی تھی۔ اس کی جدتِ طبع، چالاکی اور ہوشیاری کی داد دینی پڑتی ہے کہ جب وہ ایک شوہر کے ہاں رہتی تھی۔ تو دوسرے دو شوہروں کیلئے فلم کی شوٹنگ میں مصروف ہوتی اور جب وہ دوسرے کے ہاں جاتی تو پہلے دونوں کے لئے وہ کسی صابن کمپنی یا بسکٹ کمپنی کے اشتہاروں کے سلسلے میں دنرات کام میں مشغول ہوتی، پیسہ وہ تینوں سے اینٹھ لیتی۔

مجھے کنوارا، دولت مند اور مقبول ماہر نفسیات سمجھ کر وہ میرے ساتھ بھی یہی چالاکی چلنا چاہتی تھی۔ اور شروع کے چند ماہ میں تو میں اس کی

مسحور کن اور دل فریب باتوں کے چکر میں گرفتار رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا حسن میرے لئے باسی پڑنے لگا۔ یہ میری ٹریجڈی ہے۔ عورت کا حسن میرے لئے بہت جلد باسی ہو جاتا ہے۔ اور میں اس کے جال سے نکلنا چاہتا تھا۔ مگر اس سے شادی کا وعدہ کر چکا تھا۔ اب اس الجھن سے نکلوں تو کیسے نکلوں، اتفاق سے مجھے اس کا بھید معلوم ہو گیا اور میں نے اس کے تینوں شوہروں کو اس دعوت پر مدعو کر لیا۔ خیال تھا تینوں کو ٹکرا دوں گا اور جولی کا راز فاش ہو جائے گا۔ مگر تم بیچ میں آن ٹپکے بلکہ ایک ہندوستانی بیل کی طرح سینگ مار کر اندر آن گھسے، اس میں شبہ نہیں کہ میری اس اسکیم میں تمہارا داخلہ بہت شاندار رہا۔ میں جولی کے چنگل سے آزاد ہو گیا۔"

" اور میری جو ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔"

" گھبراؤ نہیں، آٹھ دس دن میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ہنری نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر کہا۔ " اچھا میں چلتا ہوں۔ اس وقت ایک ایسے لکھ پتی انگریز کو وقت دے رکھا ہے جسے ہر منگلوار کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ وہ پلاسٹک کا بنا ہوا ہے۔"

ہنری نے چلتے چلتے کہا۔

" کاش میں بھی پلاسٹک کا بنا ہوتا تو اس وقت مجھے دس روز کیلئے بستر پر تو نہ لیٹا ہوتا۔"

کنول نے ہنری سے کہا۔

اور جب ہنری چلا گیا تو ادھیڑ عمر کی انگیس جو اس کی نرس تھی اپنے دونوں ہاتھوں میں پھولوں کا ایک گلدستہ لیئے اندر آئی اور میرے سرہانے اس نے وہ پھول رکھ دیئے۔

پھر ایک دن ہسپتال میں جولی مجھ سے ملنے کے لیئے آئی۔ اس عمدہ سلے ہوئے پیلے رنگ کے فراک میں وہ زرد گلاب کا ایک پھول معلوم ہوتی تھی مگر اس کی نگاہوں اور اس کے تبسم میں تیز طنز کے کانٹے تھے۔ جب وہ کمرے میں آئی تو ایک خاردار جھاڑی کی طرح سرسراری تھی۔

"کیا تم نے پولیس کو مطلع کر دیا ہے ؟"

اس نے آتے ہی پوچھا۔

"کاہے کیلیئے ؟"

"یہی کہ میرے تین خاوند ہیں۔ اگر تم ثابت کر سکو تو میں سیدھی جیل جا سکتی ہوں۔"

"اوّل تو مجھے تمہاری ایسی خوبصورت عورت کو جیل پہنچانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر مجھے یہ بات بہت دلچسپ اور خوشگوار معلوم ہوئی کہ لندن میں ایک عورت ایسی بھی ہے جو مردوں کو اسیطرح دھوکہ دے سکتی ہے جس طرح مرد عورتوں کو دیتے ہیں۔ تمہاری دبدہ دلیری

مجھے پسند آئی۔ اس لئے پولیس میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو شاید تم ان تین گوروں کے خلاف رپورٹ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو جنھوں نے تمھیں پیٹا تھا۔"

"ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا، البتہ میں ان تینوں کو اچھا ہونے کے بعد الگ الگ پیٹنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ایک وفادار بیوی کی حیثیت سے تمہیں کوئی اعتراض ہے۔؟"

"اس کے برعکس مجھے تو خوشی ہوگی اگر تم ان تینوں کی ہڈیاں توڑ سکو۔ اور وہ تمھیں ختم کر سکیں۔ تم چاروں نے اس دن میرے لئے جو جنجال کھڑا کیا ہے اس سے مجھے سخت وحشت ہو رہی ہے۔"

"کیوں۔؟"

"اس دن میرا سارا بھید کھل گیا اور وہ تینوں مجھ پر دعوے کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"اور ہنری۔؟"

"ہنری نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔" وہ ہونٹ چبا کر بولی۔

"مگر میں ایک مکمل اجنبی سے ایسی بات کیوں کر رہی ہوں؟"

"کیوں کہ میں تمہارا چوتھا شوہر ہونے جا رہا ہوں۔"

"شٹ اپ۔" وہ غصے میں کھولتی ہوئی بولی۔ "کوئی کالا

آدمی میرا شوہر نہیں ہو سکتا ۔"

" پھر تم مجھ سے ملنے کیوں آئی ہو ؟ خیریت پوچھنے یا معلوم کرنے کہ میں پولیس میں جا رہا ہوں کہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فرض کرلو کہ میں پولیس میں رپورٹ کرنا چاہتا ہوں ۔!"

" میں تمہاری اس خواہش کو خریدنا چاہتی ہوں ۔ کیا لوگے ؟"

" تمہیں ۔۔ !"

" تمہیں معلوم نہیں ہے اور مجھے یہ کہنا بھی نہ چاہیئے مگر کیا کروں شاید یہ میرے خون میں ہے کہ مجھے رنگدار لوگوں کو دیکھ کر عجیب طرح کی کراہیت کا احساس ہوتا ہے ۔ جب میں اس دن تمہاری بانہوں میں تھی تو جی چاہتا تھا کہ تم پر تھوک دوں ۔ !"

" شکریہ ۔۔ !"

" اس لئے قاعدے کی بات کرو ۔ میں تمہیں روپے دے سکتی ہوں ۔ ! تمہاری خاموشی خریدنے کیلئے پانچسو پونڈ دے سکتی ہوں ۔"

" بہت کم ہیں ۔۔ "

" اس سے زیادہ کی ۔۔ " وہ رک گئی ۔ ایک لمبے وقفے کے بعد بولی ۔

" چلو ۔ ۔ ۔ ۔ میں کہیں نہ کہیں سے ڈیڑھ دو سو پونڈ اور کرلونگی ۔"

"میں ایک لاکھ ڈالر لوں گا ۔"

"پاگل ہوئے ہو ۔؟"

"ایک لاکھ ڈالر تمہاری جیسی خوبصورت گل بدن شعلہ رُخ عورت کے عوض میں بہت کم مانگے ہیں میں نے ۔"

"ایک لاکھ ڈالر میں کہاں سے دے سکتی ہوں ؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں ۔ !"

"پھر کیوں مانگتے ہو ؟"

"کس نے مانگا ۔ یہ شوشہ تم نے چھیڑا ہے ۔ تم میری خاموشی کی قیمت ادا کرنا چاہتی ہو ۔ میں نے اپنی قیمت بتا دی ۔ !"

"کم نہیں کرو گے ؟ وہ میری طرف کچھ عاجزی، کچھ مجبوری، کچھ غصے سے دیکھنے لگی ۔ اس کے چہرے پر اس وقت اُمید و بیم کی شطرنج کھل رہی تھی ۔

"میں تمھیں آٹھ سو پونڈ سے زیادہ نہیں دے سکتی ۔ یہ آخری آفر ہے ۔"

"اپنے ہاں بھی فکسڈ پرائس کا اصول چلتا ہے ۔"

"کیوں نہیں، ان تینوں نے تمہاری جان لے لی ۔"

"اُک سویٹ ۔ مذاق ختم ہو چکا ۔ میں نہ تمہارا چوتھا شوہر بننا چاہتا ہوں ۔ نہ تم سے ایک ڈالر یا ایک سو پونڈ لینا چاہتا ہوں، نہ میں پولیس میں جانا چاہتا ہوں ۔ اب آپ اطمینان سے جا سکتی ہیں مس جولیا کرامبی ۔"

اس نے میری طرف گہری آتش بازنگاہوں سے دیکھا۔ پھر کچھ کہے سُنے بغیر کمرے سے نکل گئی مگر اس کی آنکھوں میں میرے لئے انتہائی نفرت تھی۔ جیسے وہ اس احسان کو بھی قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھی۔ مگر مجبور تھی۔ اور اسی مجبوری کی بناء پر اس کی نفرت مجھ سے اور بھی بڑھ گئی تھی

مجھے اس کے طرزِ عمل پر کوئی حیرت نہ ہوئی۔ کیونکہ میں نے خود اپنی زندگی میں یہی کیا ہے جس کسی نے احسان کیا ہے۔ میں دل ہی دل اُسے ناپسند کرنے لگا ہوں۔ شاید مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی بھی میرے لئے اس حیثیت میں ہو کہ مجھ پر کوئی احسان کر سکے۔ خود احسان کرنے والے کے دل میں خبیث صفت چھپی رہتی ہے جیسے احسان کر کے اس کا چہرہ بتا رہا ہو۔ دیکھا! جس کام کو تم اپنے لئے نہ کر سکے وہ ہم نے تمہارے لئے کر دیا۔ اب جھکا دو اپنے کندھے اور گرا دو اپنے ہاتھ زمین پر اور جھک کر چلو ایک گدھے کی طرح تاکہ ہم اپنے احسان کا بوجھ تمہاری پیٹھ پر لاد کر چلیں۔"

ظاہر ہے کوئی شریف آدمی گدھا بننا پسند نہیں کرتا۔

سہ پہر میں ہنری میرے پاس آیا

"جولی آئی تھی؟"

اس نے پوچھا

" ہاں۔! "

"پھر۔؟ "

" میں نے اُسے پوری بات بتا دی۔ سن کر ہنری نے بڑے تعجب سے سر ہلا دیا۔

" تم نے بیکار میں اپنی مشرقی نیکی کا ثبوت دیا۔ اس سے روپے لے لئے ہوتے ! "

" میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔ ! "

" تم اس سے محبت کرنے لگے ہو ؟ "

" بالکل نہیں ! "

" پھر اس قدر فرشتہ بننے کی کیا ضرورت تھی، آٹھ سو لونڈ ؟ "

میں چپ رہا — !

وہ بولا

" اس کے تینوں خاوند اپنے سالسٹروں سے مشورہ کر رہے ہیں۔ اب تمھیں ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا۔ "

" نہ ملے۔ "

" جولی لندن چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے اسے کہیں سے شاید خبر مل گئی ہو گی ۔ "

ہنری کوئیک برلن نے مجھے بتایا۔ پھر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اپنے منہ میں پائپ کو ٹھیک کرتا ہوا بولا۔

" وہ زر پرست لڑکی اس وقت تمہارے قابو میں تھی۔ تم نے اُسے جانے کیوں دیا احمق ۔ تم ایک گاڑی خرید سکتے تھے ۔ "

" ہمارے یہاں خوشحال کسان اپنی بھینسوں کو سونے کی ہنسلی پہناتے ہیں ۔ "

" کیا مطلب ؟ " وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ " یہ بات کیا ہوئی ؟ "

" تم نہیں سمجھو گے یہ مشرق اور مغرب کا فرق ہے ۔ "

جولی کو لندن سے غائب ہوئے تین ہفتے گزر چکے تھے کہ ایک روز ہنری نے تھامس میک فارلین کو ٹیلیفون کیا۔

"ہیلو ٹام! مجھے افسوس ہے تمہیں ایک بہت بُری خبر سُنا رہا ہوں۔"

"جلدی کہو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ باس کا بلاوا آیا ہے۔"

"میک فارلین بیور برادرس کی مشہور و معروف اینٹی بائیوٹکس دوائیں بنانے والی کمپنی میں ایک ایگزیکٹیو تھا اور ہنری کو بیک برلن کو بھی پسند نہیں کرتا تھا۔"

ہنری بولا۔ "میں چاہتا ہوں تم آکے جولی سے مل لو۔"

"جولی۔؟ کہاں ہے جولی۔" ؟ ٹیلی فون کے ادھر سے ٹام نے شدید بیزاری کے لہجے میں زور سے کہا۔

"ہمارے ہسپتال میں۔!"

"ہسپتال میں۔؟"

"جولی ایک موٹر ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہوگئی ہے۔ وہ موٹروں کی ریس میں حصّہ لینے والے مشہور موٹر باز ہیری ایرنڈیل کی اسپورٹس کار میں لندن سے باہر جارہی تھی۔ ہیری کو تم جانتے ہوگے، نام تو سنا ہوگا۔ اس کیلئے اسی نوّے میل کی رفتار سے کار چلانا ایسا ہی ہے جیسے ہم سلو۔ ڈرائیونگ کہتے ہیں۔ اس ایکسیڈنٹ میں ہیری تو مر گیا ہے اس کی لاش سینٹ جارجز میں پڑی ہوئی۔ ہے مگر جولی کے بچنے کی بھی امید کم ہے اس کے ......"

ہیری ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ اُدھر سے میک فارلین نے ریسیور رکھ دیا۔

"ہلّو۔ ہلّو۔ ہلّو۔" کہہ کر ہنری نے دو تین بار پکارا۔ پھر اس نے جیمس کلفٹ کو ٹیلی فون کیا۔

"ہلو جم میں ہنری بول رہا ہوں۔"

"کون ہنری۔؟"

"جولی کا دوست ! "

چند لمحوں کا سناٹا پھر ٹیلیفون پر گالیوں کی بوچھاڑ۔

ہنری کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ بڑے مزے سے وہ گالیاں سنتا رہا جیسے کان میں شہد گھل رہا ہو۔ جب بوچھار چند لمحوں کے لئے رکی تو اس نے کہا۔

"جسم اس وقت کیا کر رہے ہو ؟ "

" برین پی رہا ہوں۔! "

" کیا تم پانچ دس منٹ کے لئے بھی نہیں آ سکتے۔ جولی چند گھنٹوں کے بعد ممکن ہے زندہ نہ رہے۔ ہم سب اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ وہ موٹر کے ایک حادثے میں شدید طور پر زخمی ہو چکی ہے کچھ بھی کہو آخر وہ تمہاری بیوی ہے یا رہ چکی ہے اور تم ایک مشہور انگریز مصنّف ہو۔ اپنے ملک سے باہر یورپ میں تمہیں انگریزی کلچر کا بہترین نمائندہ مانا جاتا ہے اور . . . . . . ! "

" بکواس بند کرو۔ میں جولی کے لئے اب کوئی نہیں۔ وہ میرے لئے اب کچھ نہیں۔ میں نے سب کچھ کیا اس لڑکی کیلئے، قاہرہ جا کے مسلمان ہو کے اس سے شادی کی میں احمق تھا نمبر ون کا . . . . مجھے برین پینے دو۔ اس وقت جولی کی یاد مت دلاؤ — جہاں تک میرا

تعلق ہے وہ میرے لئے مر چکی ہے . . . . !"

" سنو جم اسے اس وقت مدد کی ضرورت ہے۔ پانچ فیصدی چانس ہے وہ بچ جائے۔ اس وقت اسے مدد چاہیئے۔ نفسیاتی مدد' اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں اور دونوں بازو اور کولھے کی ہڈی اور جسم پر بیشمار زخم ہیں۔ وہ اس وقت بالکل ہیری کی شکستہ اسپورٹس کار کی طرح ہے . . . . . جم آؤ۔ اس کا ہاتھ پکڑ لو۔"

" تم خود اس کا ہاتھ پکڑ کے بیٹھو ہنری۔ میں تو آج شام کے ہوائی جہاز سے اسرائیل جا رہا ہوں . . . . . . . . اپنے ناول کا مواد ڈھونڈنے . . . . بائی !"

جم نے ٹیلیفون رکھ دیا۔ ہنری نے رچرڈ اسنوکرافٹ کو ٹیلیفون کیا۔ جو ایک مشہور ہیوی ویٹ باکسر تھا۔ معلوم ہوا وہ دنگل لڑنے کیلئے نیویارک گیا ہوا ہے۔ ہنری نے ریسیور رکھ کر نا امیدی سے کنول۔ سکسینہ کی طرف دیکھا کنول سکسینہ نے دھیرے سے ایک طنز آمیز قہقہہ لگایا۔ ہنری کو کنول کی یہ ہنسی سخت ناپسند تھی۔ یہ ایک ایسے آدمی کی ہنسی تھی جو بہت زیادہ جانتا ہو جیسے معلوم ہو کہ دھوپ مرچکی ہے چاند بانجھ ہے اور آکاش میں دو سو میل کے اوپر کوئی روشنی نہیں ہے لیکن دو سو میل اوپر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

ہنری سے ایک دن کنول نے کہا تھا۔ " صرف چھ انچ اندر جا کے دیکھو پسلیوں کے اندر چھ انچ، دل کے اندر کوئی روشنی نہیں، یہ بجلی کا معجزہ ہے ہنری، گاؤں گاؤں شہر شہر روشنی پھیلی ہے مگر دل کے اندر کوئی روشنی نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! "

" اچھا اچھا، اچھا۔ اچھا۔ اپنی بکواس بند کرو۔ "

ہنری نے کنول سے کہا۔ اور ٹیلیفون پٹخ کے کمرے سے باہر چلا گیا اور کنول نے جا کے جولی کو دیکھا۔ صرف اس کی آنکھیں بچ گئی تھیں جانے کس طرح، یہ ایک معجزہ تھا۔ جسم کے ایک ایک حصے کا شکستہ ہو جانا اور صرف آنکھوں کا بچ جانا۔ جیسے ان آنکھوں کو سزا کے طور پہ زندہ رکھا گیا ہو۔

کنول نے ایلزبتھ کے ہاتھ سے میڈیکل رپورٹ چھین لی نرس ایلزبتھ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ میڈیکل رپورٹ اسے اپنی گاڑی کی رپورٹ معلوم ہوئی۔ جیسے اس نے تین ماہ قبل موٹر میکنک کو ٹھیک کرنے کیلئے دی تھی۔

| | |
|---|---|
| رنگ پسٹن | شکستہ |
| دائیں ران کی ہڈی | شکستہ |
| بیٹری | نئی آئے گی |

| | |
|---|---|
| ناک کا بانسہ | نیا بنے گا |
| کاربونیٹر | ختم |
| کان | غائب |
| مڈگارڈ | کچلے اور پچکے ہوئے |
| دونوں بازو | دو جگہ سے ٹوٹے ہوئے |

وغیرہ وغیرہ

لمبی فہرست، اس نے ایک موٹر میکنک کی پیشہ ورانہ دلچسپی سے پڑھی، ہیری کی اسپورٹس کار کو کوڑے میں ڈال دیا گیا تھا۔ کوئی میکنک اُسے ٹھیک نہیں کر سکتا تھا۔

یہی حالت جولی کی تھی اول تو اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ دوسرے اگر بچ بھی گئی تو اسپتال سے کیسی بھیانک اور خوفزدہ چیز ہو کے وہ نکلے گی۔ اسے سوچ کر کنول کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ جولی مر جائے۔ مگر جولی مرتی بھی نہیں تھی۔ چار دن سے متواتر وہ زندگی اور موت کے درمیان پنڈولم کیطرح ہل رہی تھی۔ جسم پٹیوں سے بندھا ہوا تھا۔ دماغ پیتھڈین سے ماؤف شریانوں میں لہو دیا جا رہا تھا۔ اس کا جسم ٹوٹی ہڈیوں اور کچلے ہوئے گوشت کا مرّبہ سا بن گیا تھا پھر بھی وہ زندہ تھی۔ اور اگر خدانہ کرے وہ

سچ مچ زندہ رہ گئی تو..... تو کنول کے سارے بدن میں ایک جھرجھری آ ئی اسے سائنس فکشن کی ایک کہانی یاد آئی جس میں دوسرے ستاروں پر آباد نئی مخلوق کا ذکر تھا جس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے تھے اور جو لجلجے گوشت کے لوتھڑے کی طرح جسم سے ایک سفید رطوبت خارج کرتے ہوئے اسی لیس پر پھسل کر چلتی تھی۔

کیا سچ مچ جولی ایسی ہی ہو جائے گی اور اگر فرض کرلو اس کا دماغ ٹھیک رہا یا پھر سے کام کرنے لگا۔ حالانکہ ان دو باتوں میں اُسے شبہ تھا تو اس کے اندر کیسے مدّوجزر چلیں گے اس کے دماغ میں وہ جولی جو اس موٹر کے حادثے سے پہلے تھی۔ اور وہ دماغ میں ساتھ ساتھ زندہ رہ سکیں گی ؟ اور اگر زندہ رہ گئیں تو یاد ایک چابک ہو گی۔ اس بدصورت جولی کے ہاتھ میں جس سے ہر لحظہ اس خوبصورت جولی کے بدن کو گھائل کیا کرے گی !

کنول جولی بن گیا۔ وہ اپنے جسم کے انگ انگ میں اِس چابک کے وار کو محسوس کر کے اندر ہی اندر کسی غیر معمولی درد سے بلبلانے لگا۔ نو۔نو۔نو۔ وہ بولے گا نہیں۔ جولی کا درد اس کا کیسے ہو سکتا ہے۔ دونوں موٹریں اس کے اندر ٹکرا گئی تھیں اور وہ اپنے ایک ایک انگ کو زخمی اور شکستہ محسوس کر رہا تھا۔

اگلے دو تین دن وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا۔ جولی جواب جیلی تھی،
ایک لیس دار اور رینگنے والی جیلی۔ جیلی میں دو آنکھیں پلکوں کے بغیر پٹ
پٹ اس کی طرف دیکھتی ہوئی، کوئی شکایت نہیں تھی۔ ان آنکھوں میں
کوئی غصہ نہیں تھا، وہ آنکھیں بس اس کی طرف دیکھے ہی جاتی تھیں اس
نے دعا کی جولی مر جائے۔ رات کے سناٹے میں اس نے کسی گہری
اندرونی جابر طاقت کو پکارا۔ جولی مر جائے تاکہ اُسے کسی طرح نیند تو آ
جائے۔

مگر اس کی آنکھوں میں نیند نہیں آئی۔ اب بستر کے قریب تپائی
پر رکھا ہوا کلاک زور زور سے ٹک ٹک کرنے لگا اور اس نے روشنی
کا سوئچ کھول دیا۔ روشنی سارے کمرے میں بھر گئی اور اس نیند
سے خالی آنکھوں میں چبھنے لگی۔ اس نے گھبرا کر پڑھنے کیلئے میگزین
اٹھا لیا۔ پہلے ہی صفحے پر جولی کی تصویر تھی۔ نئی نائیلون جرابوں
میں جولی کی خوبصورت سڈول لانبی ٹانگیں۔ اس نے میگزین
پھینک دیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ سوئچ آف کر دیا۔ ٹک ٹک ٹک...
...... ایک ہفتے تک وہ جولی کے کمرے کی طرف نہیں گیا۔
اور ایک ہفتے میں بھی جولی نہیں مری۔ پھر بڈھے ایرک رائن سن
نے اسے بتایا کہ جولی کا دماغ اب ٹھیک سے کام کرنے لگا ہے

خوش قسمتی سے جولی کے دماغ پر کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تھی۔ بڈھا رابن سن دماغیات کا ماہر مانا جاتا تھا۔ اس کی بات سن کر کنول کا دل بیٹھ گیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا، پروفیسر۔ جولی بچ جائے گی؟"

علامات تو کچھ ایسی ہی ہیں..... رابن سن نے کچھ رُک کر، کچھ جھجک کر ایک ایک لفظ کو ناپ تول کر کہا۔ پروفیسر رابن سن اپنی تحت البیانی کیلئے مشہور تھا۔ اس لئے جب وہ کہے کہ جولی میں بچنے کی علامات پائی جانے لگی ہیں تو سمجھ لو کہ کیس خاصا اُمید افزا ہے!

"خوش قسمتی سے اس کے دماغ میں....." پروفیسر نے مزید کہنا چاہا۔ مگر کنول نے اسے راستے ہی میں کاٹ دیا۔ بولا۔

"آپ اسے خوش قسمتی کہیں گے پروفیسر، جولی بچ جائے گی — ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیکھ سکے گی، محسوس کر سکے گی، سمجھ سکے گی، اندازہ کر سکے گی، مقابلہ کر سکے گی، اپنے حال کا ماضی سے، ماضی کا مستقبل سے..... جولی کے لئے یہ زندگی ہوگی کہ مسلسل موت.

..... پروفیسر؟"

"طبی اعتبار سے تو یہ زندگی ہوگی، سماجی اعتبار سے میں

نہیں جانتا کہ پروفیسر چپ ہوگیا۔ پھر بڑبڑا کر بولا۔ "میں سماجیات کا ماہر نہیں ہوں ۔ ۔"

پروفیسر سر ہلا کر جلدی سے کنول سے رخصت ہوگیا۔ جیسے اپنے سامنے اس نے اپنے سامنے کسی نئی الجھن کو دیکھ لیا ہو اور اب اس سے بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے جانے سے پہلے کنول نے پروفیسر کا کوٹ پکڑ کہا تھا۔

"کیا آپ یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ خودکشی ایسے ہی مریضوں کیلئے جائز اور قانونی قرار دی جانی چاہیئے۔"

مگر پروفیسر نے جلدی سے اپنا دامن اس سے چھڑالیا تھا اور منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چل دیا

رات

ایک بجے

اکیلا پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا میں جولی کے کمرے کے اندر گیا۔ نرس ایلزبتھ سے میری آنکھیں چار ہوئیں۔

بستر پر جولی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ ایلزبتھ نے گھڑی دیکھی۔

" وہ ہوش میں آنیوالی ہے۔ دوا کا اثر ختم ہونے والا ہے مجھے سے دوسرا انجکشن دینا پڑے گا۔ میں ڈیوٹی روم میں انجکشن لے آؤں۔

کنول وعدہ کرو تم نہیں جاؤ گے۔ ! "

" وعدہ کرتا ہوں۔ میں بیٹھوں گا۔ میں دراصل تمہیں دیکھنے آیا تھا لزا — "

" لزا نے خوشی سے آنکھیں نچائیں اور جھولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

اب موقع تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا اتنا آسان ہوگا جولی کو مار دینا۔ ایلزبتھ باہر تھی۔ جتنی دیر میں وہ انجکشن لیکے آتی ہے میں اپنا انجکشن جو میری جیب میں ہے جسے میں تیار کر کے لایا ہوں۔ ایک منٹ میں بلکہ چند منٹ میں جولی کو دے سکتا ہوں۔ اسی دوا کی ڈبل ڈوز جو جولی کو سونے کیلئے دی جاتی ہے جو ابھی ڈیوٹی روم سے ایلزبتھ لا کے دے گی یقیناً اس کے تین گنی ڈوز سے جولی مر جائے گی ہمیشہ کیلئے اس زندہ جہنم سے چھوٹ جائے گی۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکالی۔ انجکشن کی سوئی کو احتیاط سے نکالا۔ دوا اس میں بھر کے لایا۔ میں نے سوئی اونچی کر کے روشنی میں اس کے آخری سرے سے دوا کی ایک بوند نکال کے دیکھا اور پھر جولی کے بستر

کی طرف بڑھا۔

استنے میں جولی نے آنکھیں کھولیں۔

اس کا سارا چہرہ پٹیوں میں تھا۔ ماتھا بھی اور آنکھوں سے نیچے کا سارا چہرہ، صرف دونوں آنکھوں پر پٹی نہیں تھی۔ صاف بے داغ پپوٹوں پر لانبی لانبی پلکیں اور پلکوں کے اندر کسی پہاڑی چشمے کی طرح روشن آنی پتلیاں میری طرف دیکھتی ہوئی وہ آنکھیں مجھے پہچان نہیں رہی تھیں مگر میری طرف دیکھے جارہی تھیں، وہ گہری، بے مقصد، بے مدعا آنکھیں روشن نڈر، بے خوف، صاف شفاف آنکھیں اور پلکوں کی صفیں، ریشم کی طرح ملائم اور پپوٹوں کے سیپ ہلکے سیپ، گلابی اور بیداغ۔ یہ دو آنکھیں صرف میری طرف بے جھجک دیکھ رہی تھیں اور ان کی ٹھنڈی ملائم نرم معصوم لمس دھیرے دھیرے میرے دل کو ٹٹولنے لگا۔

ان آنکھوں نے کچھ کہا نہیں مجھ سے، کچھ پہچانا بھی نہیں۔

انھوں نے صرف میری طرف دیکھا اور مجھے ایسا لگا جیسے میرے ہاتھ میں انجکشن کی جو سوئی ہے وہ بالکل بیکار ہے۔ بے مقصد ہے جولی کے اجاڑ بدن میں اس کے جسم کے ریگستان میں صرف یہی دو آنکھیں نخلستان کی طرح آباد تھیں۔

مگر اتنی ٹھنڈی اور پرسکون اور آرام دہ کہ میرے ہاتھ

میں پکڑی ہوئی سوئی خود بخود سیدھی ہو گئی۔ میں نے اُسے پھر سے ڈبیا میں بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔

جولی نے دھیرے سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

میں اس کے بستر سے واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا اتنے میں ایلزبتھ آ گئی۔

کنول نے تاریک کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ جولی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ پتلی باریک ملائم انگلیاں جن کی ایک پور اس نے پھر سے خود بنائی تھی۔ کلائی کے قریب ایک چھوٹا سا گڑھا تھا اس نے اسے ناخن کی سطح سے چھو کر دیکھا۔ پورے گڑھے کا نقشہ، یہ گڑھا بھرا نہیں گیا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی چھنگلیا سے اس گڑھے کو سہلا کر جولی کے بدن میں گُدگُدی کر دیتا تھا۔ یہ گدگدی ایک میٹھی یاد تھی۔ جو اب کسی طرح میٹھی نہیں رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے ڈرنک چاہیئے۔ وہ بے آواز قدموں سے، سوتی ہوئی جولی کے بستر سے اُٹھ کر واٹن کیبنٹ کی طرف گیا اور بے آواز چابک دستی

سے اس نے ایک ڈرنک بنا کر گلاس میں رکھ دیا۔ اور پھر جولی کے بستر پر آن بیٹھا اور دھیرے دھیرے چسکی لیکر سوچنے لگا اور اسے وہ دن یاد آیا جب اس نے پروفیسر انگرسول سے کہہ سن کر جولی کے کیس کی نگرانی اپنے ذمے لے لی تھی۔

"ینگ مین۔ میں نے سنا ہے جولی کی بدقسمتی کے ذمے دار تم ہو۔ ہنری کی اس پارٹی میں ...... "

"گویا آپ وہ سب قصہ سن چکے ہیں ....."

میں نے کہا۔

"ہاں! اور اسی دن سے جولی کی بدقسمتی شروع ہوتی ہے۔ اگر تم اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اس کے ساتھ ناچنے پر اصرار نہ کرتے تو نہ اس کے خاوندوں کو پتہ چلتا نہ یہ سب جھگڑا ہوتا۔ نہ وہ نوٹس دیتے نہ جولی کو چھپنا پڑتا نہ وہ اس احمق ہیری کے جال میں پھنستی نہ یہ حادثہ ہوتا۔"

پروفیسر انگرسول بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا مگر اس کی آنکھیں کہے دیتی تھیں کہ وہ سنجیدہ نہیں ہے۔

میں نے کہا۔

"اگر وہ کرائسٹ کو سولی پر چڑھانے کے بجائے پتھر باندھ کر سمندر میں ڈبو دیتے تو کراس کہاں ہوتا۔ عیسائیت ایک ایسی موثر علامت

سے محروم ہو جاتی جس نے اس کی ترویج و اشاعت میں اتنا بڑا حصہ لیا ہے تو پھر اس گراس کیلئے ہمیں رومن سپاہیوں کا شکر گزار ہونا پڑے گا۔

پروفیسر انگرسول، اتفاقات ہر آدمی کی زندگی میں اگر آتے ہیں تو قوموں کی زندگی میں بھی آتے ہیں۔ ہر سڑک دو طرف کو جاتی ہے اگر ہیری کی موٹر کسی دوسری طرف جاتی؟ آپ ایسا کیوں نہیں سوچتے پروفیسر؟"

" جولی کی زندگی خطرے سے باہر تو اب آچکی ہے "

پروفیسر انگرسول نے میرے سوال کا جواب نہ دیتے ہوئے کہا۔

" مگر آگے کیا ہو گا۔ اس کے متعلق ہر ڈاکٹر شبہ میں ہے۔ کوئی ذمے داری لینے کو تیار نہیں ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ ایک بہت دلچسپ کیس ہے بالعموم ایسی حالت تک پہنچ جانے کے بعد ہزاروں بلکہ لاکھوں میں کوئی ایک فرد بچتا ہے۔ یہ جولی کی بد قسمتی ہے کہ وہ بچ گئی ہے مگر آگے کی ذمے داری کوئی کیا لے گا۔ میں نے بہت بڑے بڑے ماہرین کی رائے لی ہے۔ تقریباً سبھی اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ جولی کارآمد انسان نہیں بنایا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک لیونگ جیلی بن کر زندہ رہ سکتی ہے۔ اپنے لئے اور دوسروں کیلئے مصیبت اور لعنت کا ایک طوق . . . . . . پھر تم اس کیس میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔ جب کہ بڑے بڑے ماہرین . . . . !"

" اسی لئے تو۔" میں نے انگرسول سے کہا۔ " میرے لئے جولی کا کیس اور بھی زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی یہ پلاسٹک سرجری میں ایک بہت بڑا تجربہ ہو گا۔ میں ضرور اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہوں گا۔ مگر مکمل طور پر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

" مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میں تمہیں جتا دینا چاہتا ہوں کہ تم جو کچھ سوچ رہے ہو وہ بالکل ناممکن ہے۔ کیا جولی کے بدن میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ اتنے آپریشنوں سے گزر سکے۔ کیا اس کا دل اتنا مضبوط ہے، کیا اس کی نفسیات میں اس قدر قوت آ سکے گی۔ کیا گوشت بھی موم ہو سکتا ہے۔ اب تک ہم نے جتنے تجربات کئے ہیں۔ وہ الگ بھگ موچیوں کے پیشے سے مشابہت رکھتے تھے۔ تم ایک پورے جسم کو پھر سے بنانے کا دعویٰ کرتے ہو۔ میں تمہاری ہمت پست نہیں کرنا چاہتا۔ مگر مجھے تمہاری تجویز ایک رومانی تصویر کی پرچھائیں معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم جولی سے محبّت کرتے ہو؟"

" اس کے برخلاف۔ میں تو اسے ٹھیک کر کے اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ "

اس نے اپنی گھنی ابروؤں کے نیچے سے مجھے تجسّس بھری نگاہ سے دیکھا۔ پھر وہ بڑے چالاک، انداز میں مسکرایا۔ پھر میز پر

رکھے ہوئے پیپر ویٹ کو اپنی انگلیوں میں رول کرتے ہوئے بولا۔

" جاؤ کوشش کرو جولی آج سے تمہارے چارج میں ہے مگر میرا خیال ہے تم اپنی کوشش میں ناکام رہو گے ۔"

" کیوں ڈاکٹر ؟ "

" کیونکہ تم عورت کو نہیں جانتے ۔ "

" میں جاننا بھی نہیں چاہتا پروفیسر۔ مگر میں جولی کو اس کا جسم واپس دینا چاہتا ہوں تقریباً اسی حالت میں جس حالت میں وہ اس حادثے سے پہلے اس کے پاس تھا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی تنخواہ، اپنی آمدنی کی آخری پینی بھی کیوں نہ خرچ کرنی پڑے۔ میں جولی کو اس کا جسم، اس کا مکمل جسم، اس کا دماغ اپنی تمام مکروہ حماقتوں کے ساتھ اس کو لوٹانا چاہتا ہوں، اسی حالت میں جیسے وہ پہلے تھا۔ یہ میرا سب سے بڑا انتقام ہوگا ۔"

جیسے میری احمقانہ باتوں سے محظوظ ہو کر وہ مسکرا رہا ہو۔ پروفیسر نے اپنی چمکتی آنکھیں مجھ پر گاڑ دیں ۔

رچرڈ اسنوکرافٹ اور تھامس میک فارلین سے دستخط لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ کیونکہ جولی کا زیج جانا اخباروں میں ایک طبّی معجزہ سمجھا جانے لگا تھا۔ یہ خبر بھی اخبارات میں چھپ چکی تھی کہ سینٹ جارجز کے ماہرین جولی کو ایک نیا جسم دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جولی کی موجودہ حالت کے بارے میں بھی کئی خبریں چھپ چکی تھیں۔ اس لئے کنول کیلئے تینوں خاوندوں سے دستخط لینا کوئی مشکل نہ رہا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی جولی کی طویل علالت، اس کے درجنوں آپریشنوں اور علاج اور دیکھ کے دیگر مصارف سے عہدہ برا ہونے کیلئے تیار نہ تھا۔ کنول نے ان تینوں کے سامنے، بہت آسان حل رکھ دیا تھا۔ ایک سادے کاغذ پر اس نے دو فقرے ٹائپ کرا لئے تھے۔

" جولی پر پیرا کسی طرح کا کلیم یا حق نہیں ہے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کروں گا۔"

اس پر ان تینوں نے دستخط کر دیئے تھے۔

٭ ٭ ٭

جب سے جولی ہوش میں آئی تھی۔ اس نے مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ وہ جہاں تک ہو سکے کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ اب اس کے چہرے سے پٹی اتر چکی تھی۔ صرف بازو اور دھڑ پٹیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ اس کا بدصورت چہرہ اس کو دکھا دیا گیا تھا۔ اس چہرے کو دیکھ کر اس نے چیخ نہیں ماری تھی۔ صرف زور سے اپنے لب بھینچ لئے تھے اتنے زور سے جیسے وہ اپنے ہونٹوں کا سارا لہو پی جائے گی اس کی کنپٹیوں کی رگیں اُبھر آئی تھیں اور سارا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔ پھر دھیرے سے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور نرس ایلزبتھ سے التجا کی۔

" مجھے ختم کر دو۔ "

پھر جب اس کے منہ سے رقیق غذا پہنچنے کی نلکی نکالی گئی تو اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ کسی کے سمجھانے بجھانے پر بھی راضی نہ ہوئی۔ اب تک میں نے اپنے آپ کو پس منظر میں رکھا تھا۔ جان بوجھ

کر کیونکہ وہ میری صورت ہی سے نفرت کرتی تھی اور میں اس کے ذہن پر مزید بار نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے نرسوں کو منع کر دیا کہ اگر وہ کھانا نہیں کھانا چاہتی تو اُسے کھانا نہ دیا جائے۔ میں اس بات کی امید میں تھا کہ جب اس کا جسم شدت سے غذا مانگے گا تو وہ خود ہی کھانا مانگے گی۔ مگر جب پورے دو دن اور دو رات اس نے کھانا نہیں کھایا تو میں نے اس سے فیصلہ کن بات کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ میں کب تک پس منظر میں رہ سکتا تھا۔ یہ بات تو مجھے اس سے کرنا ہی تھی۔ اور اگر میں جولی کا تعاون حاصل نہ کر سکا تو اپنے ارادوں میں کامیاب بھی نہ ہو سکتا تھا۔ بات ہو گی اور بہت صاف صاف بغیر کسی لگی لپٹی کے۔

دوسری رات کھانا کھانے سے انکار کرنے کے بعد کوئی دس بجے مختلف پلنگوں کے چکر لگاتا ہوا مریضوں کا معائنہ کرتا ہوا میں اس کے کمرے میں پہنچ گیا اور کرسی کھینچ کر اس کے پلنگ کے قریب بیٹھ گیا۔ ڈیوٹی دینے والی نرس جانس کو باہر بھیج دیا۔

"ہیلو بدصورت — !"

میں نے اسے مخاطب کیا۔

جولی نے منہ پھیر لیا۔

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

جولی منہ پھیرے چپ رہی۔

" مگر بات کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم ان تینوں کا غذوں پر ایک نگاہ ڈال لو ۔۔۔ ! "

اس کی گردن میری طرف گھومی۔ میں نے تینوں تحریریں اُسے دکھا دیں۔ اس کے پہلے تینوں خاوندوں کی . . . . .

" اب تم آزاد ہو۔ تم پھر سے نئی زندگی شروع کر سکتی ہو۔ "

ایک اسپنج کی طرح اس کے ہونٹوں پر ایک بیزار کن تبسم آیا۔

وہ ہونٹ جو اب ایک بھنے ہوئے کدو کے ٹکڑے کے مشابہ تھے پچکے ہوئے ناک کے بانسے میں ابھی تک ایلومونیم کی دو نلکیاں لگی ہوئی تھیں جو نتھنوں کا کام دیتی تھیں۔

" اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو گی تو شاید میں تمہیں پھر سے ایک نیا جسم دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا پہلے کی طرح خوبصورت جسم تو نہ ہو گا۔ تمہارا مگر ایک کارآمد جسم۔ ہاتھ پاؤں، ناک کان، گردن اور دھڑ والا جسم، ایک عورت کا جسم جسے دیکھ کر کسی کو گھن نہیں آئے گی۔ جسے دیکھ کر بچے ڈریں گے نہیں۔ تمہارا اپنا جسم، کسی میگزین کی ماڈل گرل کا جسم نہیں مگر ایسا جسم جیسا ہزاروں لاکھوں ان عورتوں کا ہوتا ہے۔ جو شریف گھروں کی مائیں ہوتی ہیں۔ جن سے ان کا خاوند اور بچے پیار کرتے ہیں۔ ایک

اوسط درجے کا جسم چند کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود۔ جن کیلئے میں
پہلے سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ کیونکہ سائنس نے ابھی اس درجے
ترقی نہیں کی کہ وہ انسانی اعضاء کو جوں کا توں بنادے مگر میری نظر میں
چند نئے تجربے ہیں جنھیں میں تم پر آزمانا چاہتا ہوں۔ ہڈی اور گوشت
رگوں اور نسوں کے نئے گرافٹ جواب تک کسی انسانی جسم پر نہیں آزمائے
گئے۔ وہ میں سب تم پر آزماؤں گا اور تمہارا کیا جائے گا؟ سوچو۔
جس بگڑی ہوئی حالت میں تم اب ہو اس سے ابتر حالت کا تصور ممکن
نہیں۔ توپھر مجھ سے تعاون ہی کیوں نہ کرلو۔ ویسے میں تم کو یہ بات
بتاؤں کہ اگر تم مجھ سے تعاون نہیں کروگی تو میں بھی اپنی سی کر گزروں گا
میں تو اپنے تجربے کرنے ہی والا ہوں اور اسپتال کے
ہیڈ نے مجھے اجازت بھی دے دی ہے مگر مریض اگر تعاون کرے
تو ڈاکٹر اور مریض کے باہمی ذہنی اور نفسیاتی تعاون سے علاج بہت
آسان ہوسکتا ہے!

تعاون کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ آج تم کھانا کھالو۔
روز کھانا کھالیا کرو۔ خودکشی کرنا کیا مشکل ہے کسی روز کسی دن بھی خودکشی
کی جاسکتی ہے چوبیس گھنٹے تو کسی مرد یا عورت پر نگرانی نہیں رکھی جا
سکتی۔ اس دنیا میں ایک ہی تو بات ہے جس پر اپنا پورا اختیار ہے

خودکشی۔ کیوں نہ اس کے لئے چند ماہ ٹھہر جاؤ۔ چھ ماہ میں کچھ زیادہ کام تو نہیں ہو سکتا۔ نمونے کے طور پر میں تمہاری ایک ٹانگ تو درست کر کے دکھا دوں گا۔ تم اس ٹانگ کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتی ہو کہ تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو کہ نہیں ؟ خودکشی کرو گی کہ زندہ رہنے کی کوشش کرو گی ؟ مجھے صرف چھ ماہ چاہئیں۔ صرف چھ ماہ کا تعاون.... بس ! "

اتنا کہہ کر میں کمرے سے باہر چلا گیا اور نرس کو کھانے کا آرڈر دے گیا۔

جولی نے اس رات کھانا نہیں کھایا لیکن دوسرے دن ناشتے پر اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ ناشتہ کر لیا اس نے اور نرس نے خوشی خوشی اس کی اطلاع مجھے دے دی۔ اصل میں اب میرا کام شروع ہوا۔

شروع شروع میں ہر شخص میرے کام کو بے یقینی سے دیکھتا تھا سب سے زیادہ بے اعتمادی جولی کو تھی اور ایک لازمی امر تھا۔ مگر دوسرے ڈاکٹر اور میرے اپنے شعبے میں کام کرنیوالے ڈاکٹر درپردہ میرا مذاق اُڑاتے تھے اور یہ مذاق کچھ زیادہ بے جا بھی نہ تھا کیوں کہ جولی کے جسم کو گوشت پوست ہڈیاں رگیں، نسیں وغیرہ اتنے فاضل سامان کی ضرورت تھی جو سب کا سب اس کا جسم مہیا نہیں کر سکتا تھا۔ فارن گرافٹ کے

کے بغیر جولی کا جسم کسی طرح مکمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور فارن گرافٹ کے متعلق اپنی کامیابی صرف اتنی تھی کہ چند ہفتے یا چند مہینے یا دو تین مہینے سے زیادہ کوئی فارن گرافٹ انسانی جسم میں نہیں چلتا۔ دوسرے جسم سے لیا گیا گردہ یا گوشت کا کوئی حصہ ۔ اعصابی نظام میں فٹ نہیں ہوتا۔ چند ہفتوں کے بعد جسم اسے مسترد کر دیتا ہے اسی لئے تو کسی ڈاکٹر نے جولی کو ٹھیک کرنے کی حامی نہیں بھری تھی ۔

طالب علمی کے زمانے میں فارن گرافٹ میرا اہم موضوع رہا ہے۔ اب بھی میں لگاتار اپنی فرصت کے اوقات میں اس پر ریسرچ کرتا رہتا ہوں۔ مختلف سمتوں سے آئے ہوئے کئی نئے خیال میرے دماغ میں بے چین تھے ۔ ان میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ بچہ نو ماہ تک ماں کی کوکھ میں رہ سکتا ہے آخر بچہ بھی تو ایک طرح کا فارن گرافٹ ہوتا ہے۔ اور ماں کا جسم اُسے قبول کر لیتا ہے اور اپنی کوکھ میں اُسے مکمل کرتا ہے تو دوسرے فارن گرافٹ کو بھی انسانی جسم کو قبول کرنا چاہیئے کم از کم نو ماہ تک . . . . خیر مجھے اب ایک زندہ لیبارٹری مل گئی تھی اپنے تجربوں کیلئے . . . . !

چھ ماہ کے عرصے میں، میں نے جولی کی دائیں ٹانگ پر بیسیوں چھوٹے بڑے آپریشن کئے۔ ٹوٹی ہڈیوں کو جوڑا نئی ہڈیاں ڈالیں نئے

گوشت کے پیوند لگائے، نئی رگوں اور نسوں کے جال باندھے۔ چاروں انگلیوں کو پھر سے ٹھیک طرح سے باندھا۔ صرف انگوٹھا کسی طرح بچ گیا تھا۔ باقی چاروں انگلیوں کا ملغوبہ سا بن گیا تھا۔ ہر انگلی کی پھر سے شکل بنائی۔ ران اور پنڈلیوں کے زخم بھر کر اس پر پھر سے پوسٹ گرافٹ کیا ٹخنوں کی گولائیاں درست کیں۔ پلاسٹک سرجن کا کام بھی موچی کا ہوتا ہے کبھی جراح، کبھی فن کار اور کبھی صنم گر کا۔

یہ ٹانگ جس کی ہڈیاں شکستہ تھیں، جس کا گوشت کہیں سے پچکا، کہیں سے پھولا ہوا اور کہیں سے غائب تھا۔ ایسی بدصورت اور بے ہنگم ٹانگ تھی کہ دیکھ کے گھن آتی تھی۔ اسے پھر سے شکل دینے کیلئے میں نے پتھر کے خوبصورت مجسموں کے حسین ٹانگوں کے چربے اتارے میں دن رات اس ایک ٹانگ پر دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو کر کام کرنے لگا۔

سرجری کے اوزار میرے لئے ایک بت تراش کے اوزار تھے۔ جس ٹانگ کا خاکہ میرے ذہن میں تھا۔ وہ نواب جولی کی اپنی اصلی ٹانگ سے بھی حسین اور سڈول تھی۔ مگر مجھے ہر قسم کی تفصیلات کا خیال رکھنا پڑتا۔ کوئی تفصیل حقیر سے حقیر بھی میرے لئے زبردست اہمیت رکھتی تھی۔ ان دنوں دنیا بھر کے مشہور پلاسٹک سرجنوں سے میری خط و کتابت رہی تھی۔ اپنے ساتھیوں سے گرم بحثیں رہتی تھیں۔ میں جولی

کے باقی جسم پر شاید ایک نگاہ بھی نہیں ڈالتا تھا۔ جیسے جولی کا سارا جسم اسی ایک ٹانگ پر مشتمل تھا۔

نہ دن کا مجھے ہوش تھا نہ رات کا۔ وقت میرے لئے تھم گیا تھا۔ میرے تجربوں نے خود میرے دل میں ہیبت پیدا کر دی تھی۔ مجھے خود نہیں معلوم تھا چھ ماہ بعد کیا ہوگا ؟

جب پٹیاں اتریں گی۔ جب پلاسٹک نکلے گا، کیا شے باہر آئے گی ؟ دل سوچ کر رک جاتا تھا۔ !

چھ ماہ بعد جب صبح پٹی کھلنے والی تھی۔ اس رات میں سو نہیں سکا۔ وہ ساری رات میں نے جولی کے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھے بیٹھے کاٹ دی۔ جولی اور میرے درمیان اب تھوڑی بات چیت ہونے لگی تھی۔ مگر زیادہ تر پروفیشنل انداز کی۔ جیسی ڈاکٹر اور مریض کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ آج وہ بالخصوص بہت خاموش تھی۔ غالباً اس کا دل بھی اتنی شدت سے دھڑک رہا ہوگا جیسا میرا۔

" ڈاکٹر۔ " اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

" اگر تمہارا تجربہ ناکام رہا۔ ؟"

" تو شاید میں خودکشی کرلوں۔ "

وہ میرا جواب سن کر حیران ہوگئی پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا تمہیں مجھ پر اس قدر رحم آنے لگا ہے؟"

"رحم دلی نہیں جولی، ڈیوٹی محض ڈیوٹی اور کچھ نہیں صرف ڈیوٹی...!"

جولی نے پوچھا

"یہ کس طرح کی ڈیوٹی ہے۔ ڈیوٹی تو دوسرے ڈاکٹر بھی بجا لاتے ہیں۔ مگر تم گزشتہ چھ مہینوں سے ہر وقت اسپتال میں رہتے ہو ـــــ یا لیبارٹری میں۔ نرسیں مجھے بتاتی ہیں اُن چھ مہینوں میں تمہیں کسی نے کسی لڑکی کے ساتھ سینما تک جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"شاید مجھے تمہاری بدصورت ٹانگ سے عشق ہو گیا ہے۔"

"نان سینس!"

"شاید مجھے تجربہ کرنے کا شوق ہے۔ تم گویا میرے لئے تجربے کرنے کی چوہیا ہو!"

جولی نے اپنے پھٹے پھٹے بھدے مونٹ دانتوں میں زور سے دبا لئے ـــ

"اوہ! تم اب تک مجھ سے کتنی نفرت کرتے ہو؟"

میں نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ رات کے پڑھنے کے لئے جو کتاب لایا تھا۔ اُسے کھولنے لگا۔

"کون سی کتاب ہے۔؟"

" انگریزی شاعری ہے۔ "

" تمھیں شاعری سے بھی دلچسپی ہے ؟ "

" ہاں۔ اور تمھیں .... ؟ "

" میں جب عورت تھی تو لوگ میرے متعلق شاعری کیا کرتے تھے وہ کبھی کبھی میں سن لیا کرتی تھی .... ! "

" آج کل بدصورت چیزوں کے متعلق بہت شاعری ہوتی ہے حسن، نیکی، نرمی، ہمدردی، ملائمیت، محبت کا لمس، آنکھ کا آنسو، یہ سب باتیں فیشن سے باہر ہیں۔ آج کل ہر جذبے کو پہلے سے نچوڑ کر خالی کر لیا جاتا ہے۔ پھر اسے پاؤں کے تلے اچھی طرح روندا جاتا ہے جب وہ جگہ جگہ سے پھٹ جاتا ہے اس پر کالے میلے چیکٹ دھبے پڑ جاتے ہیں۔ اس میں سے تنگ نظری، حماقت، کمینگی کی بیزار کن بُو آنے لگتی ہے تو شاعر اُسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنی ناک کے قریب لاتا ہے اور دونوں آنکھیں بند کر کے اُسے زور سے سونگھ کر کہتا ہے

" آہ ــ ! "

" مطلب ؟ "

" مطلب یہ کہ تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ تم بدصورت ہو۔ اب تمہاری تعریف کرنیوالے کئی شاعر مل جائیں گے۔ اس مجموعے میں

بہت سے ایسے ہیں جنھیں میں خط لکھ دوں تو دوڑے دوڑے آ جائیں
گے۔ بڑے خوش قسمت زمانے میں تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا ہے جولی
اب تم کو ممکن ہے کوئی پریمی مل جائے۔"

جولی منہ پھیر کر روتی رہی۔ میں کتاب کے ورق الٹتا
رہا۔ بیچ میں سو بھی گیا تھا۔ کرسی پر بیٹھا بیٹھا پھر نہ جانے کب کتاب میری
گود سے پھسل کر گر گئی اور میں جاگ گیا۔ جولی اب سو رہی تھی۔ آنسو بھی
اس کی پلکوں پر خشک ہو چکے تھے۔ اس کے سارے چہرے پر یہ
آنکھیں بہت عجیب لگتی تھیں۔ پورا چہرہ اس قدر بھدا بدنما اور بھیانک اور
داغدار تھا کہ اس پر آنکھیں بھی بدصورت اور بدہیبت معلوم ہوتی تھیں
بدصورتی کا بھی اپنا ایک حسن ہوتا ہے۔ اس بدصورت نقشے
میں اگر کہیں ایک شئے بھی خوبصورت نظر آجائے تو بدصورتی اپنا توازن
کھو بیٹھتی ہے۔ شاید میں یونانی بت گروں کی طرح مکمل توازن کا حامی
ہوں، یا تو پھر کہیں کوئی داغ دھبہ نہ ہو یا پھر داغ داغ، دھبہ دھبہ، دھواں
..... اگر کل صبح میرا تجربہ ناکام رہا تو میں یہ آنکھیں بھی جولی سے چھین
لوں گا۔ اچھی نہیں لگتی ہیں اس کے جانے پہچانے مانوس بدصورت
چہرے پر بلکہ چھوٹی۔ ننھی بے پلکوں کی آنکھیں ہی اس کے چہرے کو
زیب دیں گی۔

رات جاری ہے ایسی ہی خاموش رات تھی وہ۔ کنول کو یاد آیا۔ وہ کھڑکی کھول کر اسپتال سے باہر دیکھنے لگا تھا۔ مگر لندن میں کچھ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ کسی بڑے شہر میں ..... نہیں ملتا۔ پائپ اور کھمبے، چھتیں اور مربع مستطیلیں، ملگجی شکلیں اور مٹیالے سائے، ٹھٹھرتی ہوئی بلّیاں ناگ سماگ ایسے میں روشنی، کسی مجرم، چور یا خونی کی طرح آتی ہے۔ پتھر کے فرش پر دھات بجتی ہے، فلیش کی زنجیر زور سے کھنکتی ہے۔ دن چڑھ گیا۔ نہ شوالے کی گھنٹی بجی نہ مسجد کی اذان نہ پرندوں کی چہکار، نہ کھیت نہ ٹیلے نہ پہاڑ۔

ٹیمز کے گدلے پانی میں ایک دخانی کشتی کا بھونپو بج رہا ہے

یکایک وہ اپنے گھر جانے کیلئے بے تاب ہوگیا۔ اس کے گھر کے اندرون آنگن تلسی مہک رہی ہوگی، دیواروں پر لو کی بیلیں چڑھتی ہوں گی اور اس کی ماں مٹکی میں مٹھانی ڈال کر دہی بلو رہی ہوگی۔ گھوں گھوں گھوں مٹکی میں سے آواز آ رہی ہوگی جیسے کبوتر مست ہو کر خوشی سے ناچتے ہوں۔ غٹر غوں۔ غٹر غوں۔

ارے نہیں۔ یہ تو ٹیمز میں بہتے ہوئے ایک چھوٹے سے گن بوٹ کا بھونپو ہے۔

وہ ایک لمبی سانس لے کر واپس کرسی پر آگیا۔ یکایک اس نے

محسوس کیا کہ وہ بہت تھک گیا ہے پھر نرس ایلزبیتھ آگئی اور نرس جاسی اور ڈاکٹر ہنری، کوئیک برن، پروفیسر انگرسول اور دوسرے کئی ڈاکٹر وہ سب دیکھنے کیلئے آ گئے تھے۔ اور سب کی نگاہیں جولی پر تھیں اور کبھی کنول پر اور کنول کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ کسی سے آنکھ ملانے کو تیار نہ تھا۔ ایسا سناٹا تھا جیسے صبح صبح گرجا کے پٹ کھلنے پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ کمرے میں اُسے ایسا لگا کوئی بھی نہیں ہے

جولی کا بستر گرجے میں، سامنے صلیب اور مسیح، پشت پر کیتھیڈرل کے رنگین کانچ اور دور دھیما دھیما بجتا ہوا پاکیزہ آرگن اور وہ پٹیاں اُتار رہا ہے۔ دھیرے دھیرے اور جولی سو رہی تھی۔ ایک ایک تہ کر کے پٹی اُتر رہی ہے۔ دھیرے دھیرے پلاسٹر جھڑنے لگتا ہے جیسے وہ ہزاروں سال سوئی جولی کو برف کے نیچے سے دریافت کر رہا ہو۔

اے خدا صبر، کرائسٹ ذرا دھیرج شانت ہو جاؤ کنول۔ ۔ ۔ ۔ !

دھیرے سے بہت دھیرے سے جیسے کنول صبح کی پہلی امید کے سامنے سجدہ کرنے جا رہا ہو۔ اس کے کانوں میں ایک اجنبی انجانے سنگیت کا شور بھر گیا۔ ایک لمحے کیلئے اس کی آنکھیں جھپک گئیں وہ ٹانگ اس کے سامنے تھی۔ ایک لمحے کیلئے صبح کے دھندلے دھندلے دھندلکوں میں اس سفید مرمریں ٹانگ کو دیکھا۔ سیپ میں ترشی ہوئی

سندر، سڈول، سجل، موتیوں کا آبی رنگ لیے ہوئے ایک لمحے کیلئے پھر جیسے آنکھوں میں سب کچھ جھلملا کے رہ گیا۔

کوئی اس کا شانہ تھپ تھپا رہا تھا۔ اس کا استاد انگرسول زور زور سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلا رہا تھا۔ کتنی ہی آوازیں تھیں جو اس کے چاروں طرف پھیل رہی تھیں یکایک اس کا سارا بدن سن ہو گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ شانے ڈھلک گئے اور وہیں کرسی پر بیٹھا بیٹھا بیہوش ہو گیا۔ چھ ماہ کی رکی ہوئی نیند نے یکلخت غلبہ کیا تھا۔ وہ متواتر دو دن تک سوتا رہا۔

پروفیسر انگرسول نے کہا تھا۔ "اسے کوئی پریشان نہ کرے واقعی یہ ایک معجزہ تھا۔ ایسی لانبی، صحت مند کہیں پر ایک چتّی نہیں، داغ دھبہ نہیں۔ حرکت کرتی ہوئی، گول مٹول ٹخنے، کنول کے پھول سے نازک اور شفاف۔ جیسے کسی پرانے یونانی صنم گر نے اسے اپنے ہاتھ سے تراشا ہو۔ یا زہرہ کے مجسمے سے الگ کر کے جولی کے بدن سے لگا دیا ہو۔

ایک ایک کر کے سب ڈاکٹروں نے اُسے مبارک باد دی تھی۔ ہیڈ نے اُسے اپنے تجربوں کے لئے کھلی چھٹی دے دی تھی اور اب اس کیلئے ایک معقول فنڈ بھی دے دیا تھا۔ اب اُسے

اپنی تنخواہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑے گی۔اور اکثر راتوں کو بھوکا رہنا نہیں پڑے گا۔کنول کے اصرار پر اس معجزے کی خبر اخباروں میں نہیں دی گئی۔ وہ اپنا تجربہ مکمل تو کر لے .....!

دو دن بعد جب وہ جولی سے ملنے گیا تو اس نے دیکھا کہ جولی کی آنکھوں ..... کی خشک جھیلیں پانی سے لبریز ہیں اور دو رویہ پلکوں کی قطاروں تلے کچھ شرمیلے جھجکتے سے سائے اس سے نظریں نہیں ملا رہے ہیں۔!

وہ جب جولی کے کمرے میں داخل ہوا تو اس وقت نرس ایلزبتھ جولی کی صحت مند ٹانگ کے پاؤں کے ناخنوں میں گلابی رنگ لگا رہی تھی۔ جولی نے آنکھ اٹھا کر بس ایک بار اس کی طرف دیکھا پھر وہ اور بھی اپنی ٹانگ پر جھک گئی۔ اور ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔!

دو سال اور اس نے محنت کی، انتھک مشقت، گہری اور سچی لگن والی محنت، جولی کا جسم اس کیلئے جسم نہیں تھا۔وہ ہائیڈرو الیکٹرک پراجیکٹ تھا۔ جو اس کے گاؤں میں بجلی لے کر آیا تھا۔اس نے انجینئروں کو اس پراجیکٹ پر کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔یہ بھی کچھ اس طرح جیسے نہر کھودی جائے یا ہل چلایا جائے۔ یا صبح اُٹھ

کر مندر جایا جائے۔ ہر کام عبادت چاہتا ہے۔ کام عشق ہے ہاتھ پوجا کے لئے بنے ہیں۔

جولی کا جسم ایک کیتھیڈرل ہے کوئی سیکس نہیں ہے اس کے اندر۔ اس کیلئے تو ایک سمفنی کی شروعات ہیں۔ ایک سُر یہاں تو دوسرا وہاں۔ ایک وائلن یہاں تو دوسرا ادبو یہاں، ایک رگ یہاں تو دوسری نس وہاں۔ ایک وسیع پیچیدہ نقشہ ندی، نالوں، جنگلوں پہاڑوں اور دوالوں سے بھرا ہوا۔

ایک جسم میں دس ارب خلیے ہوتے ہیں اور ہر خلیہ پوری توجہ چاہتا ہے۔ توجہ اور ربط باہم کیوں کہ ہر خلیہ دوسرے کا محتاج ہے اور دوسرا تیسرے کا۔ دس ارب خلیے مل کر ایک انسان کی سمفنی بناتے ہیں۔ ایک جسم بنانا ایک سمندر متھنے کے برابر ہے۔ ان چھ مہینوں کے بعد اسے دو سال اور لگے۔ جولی کے باقی جسم کے بنانے میں۔ پہلے اس نے اس کی دوسری ٹانگ بنائی۔ پھر اس کے دھڑ اور کمر کا حصہ ٹھیک کیا۔ پھر دونوں بازو ایک ہی بار میں بنا دیے۔ جب دو سال گزر گئے تو جولی گردن کے خم سے لیکر پاؤں کی پور تک دوبارہ بن چکی تھی۔ صرف چہرہ باقی تھا۔!

"میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارا چہرہ نہ بناؤں۔ اِسے ایسے

ہی رہنے دوں ۔ "

ایک دن کنول نے جولی سے کہا۔

ان دونوں کے درمیان اب بہت کم باتیں ہوتی تھیں۔ بات کرنے کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اگر جولی کا جسم کنول کیلئے ایک معبد تھا تو کنول کے ہاتھ جولی کیلئے پوجا کے پھول تھے۔ وہ اس سے بہت کم بات کرتی تھی۔ مگر اس کا جسم کنول کے ہاتھوں ایک وائلن کی طرح بولتا تھا۔

" اچھا ہے۔ مت بناؤ۔ میں مسلمان عورتوں کی طرح نقاب ڈال کر چلا کرونگی اور کسی کیبرے میں نقاب پوش حسینہ کا لقب مستعار لے کر ناچا کروں گی ! "

" ہوسکتا ہے میں کل مرجاؤں اور تمہارا چہرہ اسی طرح — بدصورت رہ جائے ۔ "

" پھر لوگ مجھے تمہاری ادھوری سمفنی کہیں گے ! "

" اگر تمہارا جسم سنگِ مرمر کا ہوتا تو میں سارا جسم تیار کر کے تمہارا چہرہ بے خدوخال کر دیتا۔ کسی آئندہ آنے والے سنگ تراش کے حسنِ تصور کے لئے دیکھنے والے پاؤں سے گردن تک مسحور ہو کر اس جسم کے فتنہ پرور حسن کو دیکھتے جو فطرت پر ایک اضافہ ہے اور سوچتے کہ اس سیم تن ساحرہ کی صورت کیا ہوگی اور حسن کی کیسی کیسی

نادر شبہیں، نازکی کے کیسے کیسے نادر نقش عالم خیال میں ابھرتے تمہارا خالی چہرہ ہر آنے والے سنگ تراش کیلئے ایک محرک ہوتا۔ مگر افسوس کہ تمہارا جسم محض گوشت کا ہے۔ اتنی محنت اگر میں نے کسی پتھر پر صرف کی ہوتی ...... !"

"تم یہی کیوں نہیں سمجھ لیتے، میں تمہاری روح کا پہلا پتھر ہوں۔"

میں چونک گیا۔ میں نے غور سے جولی کی طرف دیکھا۔

"میں نے تو صرف تمہارا جسم بنایا ہے۔ روح نہیں۔ پھر تبدیلی کہاں سے آئی۔؟"

"جب تک میں بگڑی نہیں تھی، مجھے معلوم نہیں تھا۔ روح بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ممکن ہے، نہ بھی ہو۔ اس بستر پر اس کمرے میں ڈیڑھ سال لیٹے لیٹے میں نے اگر کچھ تھوڑا سا سمجھا ہے تو صرف درد کو ..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں صرف درد ہی آتما ہے۔"

"تم ہندو رشیوں کی سی باتیں کرنے لگی ہو۔ یہ بہت بری بات ہے۔ میرا خیال ہے میں تمہیں ایک خوبصورت چہرہ دے کر پھر سے تمہیں ایک شیخی خور مغرور لڑکی بنا دوں گا۔"

اس کا چہرہ بنانے میں، میں نے پورا ایک سال لیا، ایک سال

کے بعد خود آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو پہچان نہ سکی تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ اس کا چہرہ نہیں تھا۔

کوئی بھی حادثے سے پہلے کے فوٹو سے اس کا چہرہ ملا سکتا تھا۔ میرے پاس اس کے سینکڑوں انلارجمنٹ تھے۔ جن سے میں نے چہرہ بناتے وقت مدد لی تھی۔ بالکل وہی چہرہ تھا۔ لیکن باریک جزویات میں کچھ فرق تھا۔ ناک کا بانسہ پہلے ستواں تھا۔ اور نتھنے زیادہ تنگ اور متناسب اور کان کی لَو کم لمبی اور ہونٹ پہلے سے زیادہ غنچہ دہن اور کریم وہائٹ، جلد پہلے سے صاف شفاف۔

اب وہ تقریبًا مکمل تھی۔ پہلے سے بہتر، صرف ایک خامی رہ گئی تھی۔ بائیں پاؤں میں ٹخنے کے قریب ایک نس میں نقص رہ گیا تھا جو میں کسی طرح ٹھیک نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی اس ٹانگ میں ایک خفیف سا لنگ باقی رہ گیا تھا۔ ورنہ وہ بالکل مکمل تھی۔

"اس نس کو ٹھیک کرنے کیلئے مجھے تین چار سال تک مزید تجربے کرنے پڑیں گے!" میں نے جولی سے کہا۔ "مگر اس کے لئے نہ اب میرے پاس وقت ہے نہ میں تمہیں اس بستر سے

باندھے رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے اب تم اپنی نارمل زندگی شروع کر سکتی ہو۔ میں بھی اب اپنے وطن جاؤں گا۔ تمہاری وجہ سے ٹھہر گیا تھا ورنہ اب تک، بلکہ دو برس پہلے چلا گیا ہوتا ــ!"

"پھر میرے اس لنگ کا کیا ہوگا؟"

"یہ خفیف سا لنگ تمہارے حسن میں اضافہ کرے گا۔ تمہاری شہرت میں چار چاند لگا دے گا۔"

"نان سینس ــ!"

٭ ٭ ٭

ہسپتال سے شفایاب ہوکر باہر جانے پر اس کے لئے پروفیسر انگرسول نے ایک پارٹی دی تھی۔ جس میں لندن کے معروف جرنلسٹوں کو بلایا گیا تھا۔ دھڑا دھڑ بہت سی تصویریں کھینچی تھیں، میری بھی، اس کی بھی، ایک ہفتے تک اور کوئی موضوع ہی نہیں تھا۔

اخباروں نے مجھ سے میرے تجربوں کے سلسلے میں ایک مضمون بھی مانگا تھا۔ جولی کو پہلے سے زیادہ کانٹریکٹ اور آفر آئے تھے۔ امریکہ کی ایک بہت بڑی اشتہاری کمپنی نے اپنے ہاں گراں قدر معاوضے پر ماڈل گرل بننے کی پیشکش کی تھی۔ اُس

نے مجھ سے صلاح لی

" میں امریکہ چلی جاؤں ۔ "

" ضرور چلی جاؤ ۔ اس سے عمدہ آفر تمہیں مشکل سے ملیگا ۔ "

میری بات سن کر وہ زور سے ہنسی ۔ بولی ۔

" تو کل آرلینڈو میں مجھے کھانا کھلاؤ ۔ ممکن ہے میں پرسوں چلی ہی جاؤں ۔ "

میں نے ہاں کر دی ۔ وہ سینچر کی رات تھی ۔ بہت عمدہ خنکی والی ۔ میں آرلینڈو کے دروازے کے باہر اس کا انتظار کر رہا تھا ۔ وہ اپنی جیگر سے شاداں و فرحاں اُتری ۔ اتنے عرصے تک اتنے قریب سے اُسے دیکھتا رہا ۔ کہ اب اسے ذرا دور سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کا چہرہ دوبارہ بناتے وقت میں کس درجہ اطالوی مصوّروں اور سنگ تراشوں سے متاثر ہوا تھا ۔

اس کا چہرہ ایک اطالوی میڈونا کا سا دکھائی دے رہا تھا ۔ اور اس گہرے سبز لباس میں وہ بہت خوبصورت معلوم ہو رہی تھی ۔ میں نے جیگر کا پٹ کھلتے ہی اُسے تھام لیا اور اپنے بازو کا سہارا دے کر اسے اپنے ساتھ لے آیا ۔ آرلینڈو کے اطالوی مینجر نے جو اب مجھے اچھی طرح سے پہچاننے لگا تھا ۔ اوپر کی منزل پر ایک

سونے سے اکیلے کارنر میں ہمیں جگہ دے دی۔ جب ٹیبل پر موم بتی جلی تو مجھے لگا جیسے کوئی میڈونا کے سامنے موم بتی پیش کر رہا ہو۔ وہ میرے خیالات نہیں پڑھ سکتی تھی۔ بس اپنے آپ میں خوش اور مگن تھی۔ بالکل پہلے کی سی جولی۔ پہلے سے تھوڑی سی سنجیدہ مگر اسیطرح شوخ اور چنچل۔

پہلا جام خاموشی میں گزرا۔

دوسرا بھی۔

" کچھ بات کرو۔؟ "

وہ بولی۔

" اچھا کرتا ہوں — "

میں نے کہا۔ دو گھونٹ پی کر پھر چپ رہا۔

" اوہنہہ — ! "

وہ کسی قدر بے چینی سے بولی۔

دو جام اور خاموشی میں گزرے۔

" بڑے بور ہو — ! "

" اس میں کیا شبہ ہے ؟ "

" اگر تم نے نئی زندگی نہ دی ہوتی تو ابھی اُٹھ کر چلی جاتی — "

"اب بھی جا سکتی ہو۔ ایک طرح سے جا ہی رہی ہو امریکہ ... !"

"تم نے تو یہ بھی نہ پوچھا۔ امریکہ کب جا رہی ہو۔؟"

"کب جا رہی ہو؟"

"کل ۔ !"

"بہت اچھا ۔ !"

دو جام پھر خاموشی سے گزرے۔

جولی نے سٹپٹا کر کہا۔

"یہ بیہودہ شراب ہے۔"

"ممکن ہے وقت بیہودہ ہو۔ جگہ بیہودہ ہو۔ تمہارا ساتھی بیہودہ ہو اور تم میں یہ سب باتیں کہنے کی ہمت نہ ہو۔"

"اگر تم مجھ سے اتنی ہی نفرت کرتے تھے تو تم نے مجھے میرے حال پر کیوں نہ چھوڑ دیا۔ مجھے پھر سے زندگی کیوں دی۔؟"

"میں نے جب تم پر کام شروع کیا تھا تو واقعی تم سے نفرت کرتا تھا۔ میرا مدعا تم سے انتقام لینا تھا۔ تمہیں ٹھیک کر کے تمہیں انسان بنا کے، تمہیں اس گالی کا جواب دینا تھا جو تم نے مجھے کلرڈ، نیٹو اور ڈرٹی انڈین کہہ کر دی تھیں۔ مگر جوں جوں میں کام کرتا گیا۔ میں تمہارے جسم میں الجھتا گیا۔ وہ نفرت غائب ہوتی

گئی۔ دھیرے دھیرے اس کی جگہ سمجھ میں آنے لگی۔ کیوں ایک عورت اپنے جسم پر فخر کرتی ہے۔ اس کی حفاظت کرتی ہے اس کی عزت کرتی ہے۔ اس کیلئے مر سکتی ہے۔ عورت کا جسم ایک شاہکار ہے یہ میں فنی اعتبار سے کہہ رہا ہوں۔ ڈھائی سال اس کے پورے ڈھانچے پر کام کرنے کے بعد کہہ سکتا ہوں۔ کہہ سکتا ہوں نا ۔؟"

"مگر یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں میں اب کیسی لگتی ہوں ؟"

کنول نے اب آدھی بوتل ختم کر دی تھی۔ اس نے ایک انگلی اٹھا کر جولی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تم ۔ ؟ پھر ایک لمبے وقفے کے بعد جس کے دوران میں وہ شریر نگاہوں سے جولی کو تاکتا رہا تھا اور جس دوران میں وہ کچھ یاد کر رہا تھا۔ یکایک جیسے اُسے کچھ یاد آگیا اور اس نے کہا۔

"تم !
ایک یا دو۔
لڑکی ہو کہ بُت ہو۔
ہر بہار تمہارا پیکر تراشے۔
بل کھاتی جھاگ تمہاری زلف کا خم۔
ایک لحظے کیلئے تیرا حسن دمکے۔

جیسے شبیہہ بادلوں کی یا لہر کی۔

اور گم۔

اب یاد کی چھلنی میں کچھ باقی نہیں ہے۔

"یہ نظم جی۔ ایس، فریزر کی ہے۔"

"ایسے ہی تم مجھے بھول جاؤ گے۔ اب یاد کی چھلنی میں کچھ باقی نہیں ہے۔"

جولی نے دہرایا۔

"اس میں کیا شبہ ہے۔ تم امریکہ جا رہی ہو اور میں ہندوستان اپنے وطن ۔۔۔۔"

ٹیبل پر جولی کا ہاتھ زور سے کانپا۔ اس نے گلاس نیچے رکھ دیا اور غصے سے بولی

"مگر میں امریکہ نہیں جا رہی ہوں۔"

"تم کیوں امریکہ نہیں جا رہی ہو؟"

"کیونکہ میں ہندوستان جا رہی ہوں۔"

"تم کیوں ہندوستان جا رہی ہو؟"

"کیونکہ میں نے اپنی پسند بدل دی ہے کیونکہ اب میں وہ جولی نہیں ہوں۔ وہ جولی مر گئی اور جو جولی اس وقت تمہارے سامنے

ٹیبل پر بیٹھی ہے۔ وہ تمہاری تخلیق ہے اور کوئی تخلیق اپنے خالق سے جدا نہیں رہ سکتی۔ "

اتنا کہہ کر جولی نے سب کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ کنول کی گردن میں ڈال دیئے اور اس کا منہ چوم لیا۔

کھانے کے بعد جب وہ دونوں جولی کی جیگر میں واپس جا رہے تھے تو پھر جولی نے اپنے ہونٹ کنول کے کان سے لگا دیئے اور کنول کے کانوں میں آڈن کا وہ مشہور گیت سنائی دینے لگا۔

اس نے مجھے چوم کر جگایا۔
اور کوئی خفا نہ ہوا۔
سورج چمکا۔
بادبانوں پر، آنکھوں پر، کنکریوں پر، سب پر'۔
اور وہ اونچا پہاڑ سمندر کے کنارے بیٹھا ہے۔
اس لئے اپنے بدلتے باغ کو یاد رکھنے کی خاطر ناچتے ہیں۔
بچوں کی طرح ایک ہی دائرے میں۔
پیارے تم میرے ہو کیونکہ آئینے اکیلے ہیں۔
اور وہ اونچا سبز پہاڑ سمندر کے کنارے بیٹھا ہے۔

"پیارے تم میرے ہو کیوں کہ آئینے اکیلے ہیں۔"

جولی نے ایک ایسی حسرت ناک گرم جوشی سے کہا کہ کنول کا دل اندر ہی اندر پگھلنے لگا۔

کنول نے گلاس خالی کر کے میز کے نیچے رکھ دیا۔

تھوڑی دیر میں اسے پھر اس کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اب اس نے ایک ایک کر کے ان چاروں برسوں کو اپنے پاس بلایا۔ جو اس نے دلی میں گزارے تھے۔ وہ چار سال جولی اور کنول کی شادی شدہ زندگی کے بہترین سال تھے۔

سول لائنز میں ایک پرانا گھر تھا۔ آدھا مغلئی آدھا انگریزی طرز کا بنا ہوا تھا جسے کنول کے باپ نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں بنوایا تھا۔ زنانہ حصہ مغلئی طرز کا بنا ہوا تھا۔ دالان در دالان، شہ نشین اور کھڑکیاں اور بیچ میں کھلا آنگن۔ جس میں کیتکی اور مولسری پھولتی تھی۔ ایک جامن کا پیڑ تھا۔ دو آم کے پیڑ تھے۔ ان تینوں پیڑوں کے گرد پکے چبوترے بنے ہوئے تھے۔ اس آنگن کے دو حصے کر دیئے گئے تھے۔ ایک اونچے چبوترے پر بڑا آنگن چھوٹے چبوترے پر چھوٹا آنگن تھا یعنی بڑے آنگن کا زیریں حصہ۔ جہاں ایک طرف بیری کا جھاڑ تھا اور ایک طرف کپڑے سکھانے کی الگنی جھولتی رہتی تھی۔ زیریں آنگن میں زیادہ تر

ملازمائیں اور نوکرانیاں کچھ کام اور زیادہ گپ شپ میں مصروف نظر آتی تھیں اور گھر کی عورتیں بڑے اور اونچے آنگن میں آم کے پیڑ کے یا جامن کے پیڑ کے نیچے چبوتروں پر نظر آتیں۔ یا جب دھوپ زیادہ ہوتی تو دالان میں پردے کھنچوا کر اور خس کی ٹٹیاں لگوا کر ہانپنے لگتیں۔ مردانے میں ائرکنڈیشنر لگ گئے تھے اور بڑی بھوجی نے بھی اپنے کمرے میں ائرکنڈیشنر لگوالیا تھا۔

اور جب کنول کی بڑی بہن کملا اپنی سسرال سے میکے آتی تھی۔ تو وہ بھی اپنے بچپن کے کمرے میں سوتی تھی۔ جس میں اس نے اپنے پتاجی سے کہہ کر ایک ائرکنڈیشنر لگوالیا تھا۔ جب چھوٹی بہو یعنی کنول کی انگریز بیوی آئیں تو ان کے کمرے میں بھی ائرکنڈیشنر لگوادیا گیا۔ مردانہ تو پہلے ہی سے ائرکنڈیشن ہوچکا تھا۔ مگر یورپ اب دھیرے دھیرے مردانے سے زنانے میں گھس رہا تھا۔ مگر مزاحمت کے بغیر نہیں۔ اماں جی نے اپنے کمرے میں ائرکنڈیشنر لگوانے کی سخت مخالفت کی تھی۔

" مجھے تو خس کی ٹٹی میں ہی اچھا لگے ہے۔ اس کی سوندھی سوندھی سردی، اس اجاڑ نگوڑے ہیرکنڈی میں تو جاڑا لگے ہے مجھے، تم کو یہ ہیرکنڈی مبارک ۔ ۔ ۔ ۔ میرے لئے تو خس کی ٹٹی ہی اچھی۔"

ـے پ بڑی بہو دالان تک ٹہلتے سرہانے ہوئے اماں کو دیکھ کر آدھا گھونگھٹ کاڑھ لیتی اور اس کا ایک سرا ہاتھ سے جھلاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے کمر دھنی کو کولہے پر ٹھیک کرتی ہوئی آکر کھڑی ہوجاتی اور سر جھکا کر پوچھتی۔

"اماں کتھا کہاں ہے؟"

"میں کیا جانوں۔ جگریا سے پوچھ۔"

کنول کی اماں چاندی کی پن کٹی میں گلوری ڈال کر اسے کوٹتے ہوئے بولتیں۔ اماں کے دانت دکھتے تھے۔ اس لئے اب وہ پان کوٹ کے کھاتی تھیں۔

مگر بہو جگریا سے نہیں پوچھ سکتی تھی۔ حالانکہ جگریا اس وقت اماں کے قدموں میں بیٹھی ان کے پاؤں کے تلوے سہلا رہی تھی جگریا کی عمر ستر برس کی تھی۔ لگتی پچاس پچپن کی تھی۔ جگریا اس گھر میں اس خاندان کی تیسری پشت دیکھ رہی تھی۔ تھی تو وہ نوکرانی۔ مگر گھر میں سکہ اسی کا چلتا تھا۔ اس کی مرضی کے بغیر اماں بھی کوئی کام نہیں کرتی تھیں۔ بڑی بہو اور کملا تک اس سے سہمی رہتی تھی۔

جگریا نے منہ پھیر کر پیچھے آنگن کی طرف آواز دی۔

"اے دلریا۔ ناس پیٹی جائے۔ کتھے کو جوش نہیں دیا ابھی تک کیا...؟"

قبل اس کے کہ دُلریا کوئی جواب دیتی آم کے پیڑوں کے پیچھے کچن کے دروازے سے جولی آسمانی ساڑھی پہنے، تھوڑا سا گھونگھٹ کاڑھے، ہاتھ میں چاندی کا ایک کٹورہ لئے اماں کے پاس آگئی اور جھجکتی شرماتی آواز میں بولی

" اماں۔ میں نے دُلریا کو منع کر دیا تھا۔ رات کو میں نے کتھے کو جوش دے کر فرجڈیر میں جما دیا تھا۔ دیکھیے اچھا بنا ہے ؟ "

اماں بولی۔

" میں کیا جانوں جگریا سے پوچھ ۔ "

جگریا نے چاندی کا کٹورہ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا سونگھا۔ قریب کے پاندان سے چاندی کی ایک چھچی نکال کر اس میں سے کٹورے سے ذرا سا کتھا نکال کے زبان سے چاٹ کے بولی۔

" اوہو رنگ بھی اچھا ہے۔ ذائقہ بھی اچھا ہے مہک بھی عمدہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ لو مبارک ہو چھوٹی بہو کتھا بنانا سیکھ گئی۔ "

اماں نے جولی کا منہ پیار سے چوم لیا۔ " شاباش۔ تُو تو دن بدن سگھڑ ہوتی جا رہی ہے اب کے کروا چوتھ میں تجھے جھومر بنوا کر دوں گی۔ "

جولی نے اماں جی کے پاؤں چھوئے اور پازیب کھنکھناتی ہوئی گلوریاں بنانے چلی گئی۔ ان کے ذکر سے جولی کا چہرہ لال ہوگیا تھا۔ ان چار سالوں میں جولی نے ہندوستانی معاشرت کے سارے آداب سیکھ لئے تھے۔ صرف اس کی آنکھیں اور اس کا رنگ اور اس کا تلفظ اس کے انگریز ہونے کی چغلی کھاتے تھے۔ ورنہ ہر اعتبار سے جولی نے اپنے آپ کو ہندوستانی رنگ میں ڈھال لیا تھا۔ اس کے دھیمے مزاج اور کلچر کو اپنا لیا تھا۔ ہندوستان آکر سب سے پہلے اس نے اصرار کیا تھا۔ کہ اس کی شادی ہندو رواج سے ہو۔ انگریزی لباس ترک کرکے اس نے ساڑھی، دھوتی قمیض شلوار پہننا شروع کردی تھی۔ اور کمر تک چوٹی کرتی تھی۔ دہلی میں رہ کر اس نے یہاں کی عام بول چال کی زبان بھی اچھی طرح سے سیکھ لی تھی۔ اور نوکرانیوں اور ملازماؤں سے اس نے بہت سے عمدہ محاورے اور طعنے ۔۔۔ بھی سیکھ کر اپنی زبان میں شامل کرلئے تھے۔ اس کے کاڑھے ہوئے گھونگھٹ، ماتھے کی بندیا اور لجا کر کھڑے ہونے کے انداز سے پہلی نظر میں کوئی یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ جولی کوئی انگریز عورت ہے۔

صرف اس کا نام نہیں بدلا گیا تھا۔ اماں جی کے اصرار پر کنول کی ماں کو جولی نام بہت پسند آیا تھا۔

"بالکل ہندوستانی معلوم ہوتا ہے کیوں جگریا؟"

اور جگریا نے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر ایک آنکھ تھوڑی سی بند کرکے اور دوسری ذرا زیادہ کھول کے سوچا تھا اور پھر فیصلہ دیا تھا۔

"آں ـــ ؟ ہاں .... ٹھیک تو ہے جولی .... منہ پر آسانی سے چڑھ جاوے ہے۔ جولی .... نہیں تو انگریجی ـــ ناموں میں جیان بڑی ٹیڑھی ہووے ہے۔ بڑی بہو کو دیکھنے کیلئے جو انگریج لیڈی ڈاکٹر آوے تھیں۔ پچھلے سال، کتنا مشکل نام تھا۔ لٹیا کتھا بڑے ..... لٹیا کتھا بڑے بھلا کوئی نام ہے۔"

بڑی بہو نے آہستہ سے کہا۔

"لڈیا کتھبرٹ تھیں وہ!"

"آں وہی تو کہوں ہوں۔ لٹیا کتھا بڑے۔ لٹیا ڈبو دی اس نام نے ..... پر جولی تو بہت اچھا لگے ہے جیسے منہ میں شہد گھلے ہے۔ یہ جولی! اس کا بالم جلمی!!"

جب اماں جی جولی کے حسن کی حد سے زیادہ تعریف کرتیں یا اس کے سگھڑاپے کی بلائیں لیتیں تو کنول شوخی سے کہتا۔ مگر اماں جی آپ اصل میں میری تعریف کررہی ہیں اسے تو میں نے بنایا ہے۔ سر سے

پاؤں تک، ورنہ یہ دو کوڑی کی نہیں تھی۔ آپ نے اِسے اسپتال میں دیکھا ہوتا جب یہ موٹر کے حادثے کے بعد بستر پہ پڑی تھی۔ بالکل ڈھیلی، ادوائن کی ٹوٹی ہوئی پلنگڑی کی طرح جو آج بھی جگریا کی کوٹھڑی میں رکھی ہے جس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔،

"چل جھوٹے۔"

اماں جی کو بھی کنول کی بات کا یقین نہ آتا تھا۔ "آپریشن ہوسکتے ہیں۔ ہڈی جڑ سکتی ہے۔ ادھر کی کھال تھوڑی سی نکال کے ادھر لگائی جاسکتی ہے یہاں تک تو انہوں نے سنا تھا..... تو جب یہ کہتا ہے کہ پتلے پتلے ہونٹ تیرے بنائے ہوئے ہیں یہ کٹار کی دھار سی ناک یہ پیسوں ایسے کان اور یہ ناشپاتی ایسی ٹھوڑی، یہ موم بتی ایسی لمبی لمبی انگلیاں..... یہ تو بھگوان نے بنائی ہیں۔ یہ میں کیسے مان لوں...."

"ماننے کی بات ناہیں ہیگی۔"

جگریا نے فتویٰ دیا۔

"لواجی....." کنول بچپن سے جگریا کو لواجی کہا کرتا تھا۔ "تم کو جھوٹ سچ پرکھنا ہو تو چھ مہینے میرے اسپتال میں چل کے رہو۔ تم کو پھر سے بیس برس کی بنا دوں گا۔ جولی سے بھی

زیادہ سندر۔ تمہاری موٹی کمر کا سارا فالتو گوشت اور چربی نکال کے ایسی پتلی کمر دے دوں گا کہ جب تم مارکیٹ میں بھاجی لینے جاؤ گی تو بلوہ ہو جائے گا۔ "

" چل جھوٹے۔ " اماں پیار بھرے شکایت آمیز لہجے میں بولیں۔ " ایک جولی کا لنگ تو نکالا نہیں گیا تم سے۔ اوپر سے شیخی بگھارتے ہو۔ میں تو جب مانوں تم کو تم میری بہو کا لنگ ٹھیک کر دو۔ "

اماں جی کو دو ہی شکایتیں تھیں۔ ایک تو جولی کا لنگ ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ وہ بدستور لنگڑا کر چلتی تھی۔ ساڑھی میں بہت حد تک اس کا لنگڑا پن چھپ جاتا تھا۔ پھر بھی یہ خامی تو اپنی جگہ پر تھی۔

دوسری شکایت اماں جی کو یہ تھی کہ جولی کے بچہ نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ کنول نے آتے ہی کہہ دیا تھا کہ اس موٹر کے حادثے کے بعد جولی کے بچہ نہیں ہوگا۔

مگر اماں جی کسی طرح ماننے کیلئے تیار نہیں تھیں کہ ایسی سندر اور پیاری بہو کے بچہ نہیں ہوگا۔

" بہت دیکھے ہیں تیرے لیے ایسے ڈاکٹر۔ پنڈت دیا کشن کی

بیوی کے بچہ نہیں ہوتا تھا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ اڑتیس برس کی عمر ہوگئی تھی۔ دنیا بھر کے انگریجی ڈاکٹروں کو دکھلوالیا کچھ نہ بنا۔ آخر ہندو واڑہ کے سائیں نے چٹکی دی۔ کیوں جگریا یاد ہے؟"

جگریا نے یاد کرتے ہوئے ایک میٹھی مسکان سے کہا۔

"نوں دے مہینے پلنگڑی پر بچہ رکھا ہوا تھا۔ یہ انگریجی ڈاکٹر کیا بھگوان ہاتھ بھی روک دیوے ہیں۔ جب وہ دینے پہ آجاوے ہے میں کہتی ہوں۔" یکایک جگریا کو کچھ یاد آیا۔" سنا ہے مرزاؤں کے محلے میں برکت پور سے ایک پیر آیا ہے۔ بہت پرشنسا سنی ہے اس کی ......"

"تو کل چھوٹی بہو کو لے چلیں گے۔"

اماں جی نے حامی بھری۔ کنول وہاں سے جلدی کھسک گیا۔ کیونکہ اب اسے غصہ آنے لگا تھا۔ اماں جی اس طرح جہاں کہیں کسی پیر فقیر سائیں سادھو کی سن گن ملی فوراً جولی کو گھونگھٹ کاڑھ کے لے جاتیں۔ اور کنول کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جولی کیوں خوشی خوشی ایسی جگہوں پر چلی جاتی ہے اور ہنسی خوشی راکھ، چٹکی تعویذ، دم دیا ہوا غلیظ پانی پرانا کھوپرا۔ جو ملے دونوں ہاتھ بڑھا کر لے لیتی ہے اور چپٹ کر جاتی ہے۔ کوئی ہندوستانی لڑکی ایسا

کرے تو سمجھ میں آسکتا ہے مگر ایک انگریز ماڈرن لڑکی لندن کی دنیا دیکھتے ہوئے اسے افسوس ہوتا۔

" اگر تمہارا معدہ کھولا جائے تو کم سے کم دو سیر راکھ اس میں سے نکلے گی اور ڈھیروں کاغذ۔ اتنی راکھ اور تعویذ کے کاغذ تم چاٹ چکی ہو۔ ایک دن مجھے تمہارا یہ آپریشن بھی کرنا پڑیگا۔ "

کنول نے جولی سے کہا اور جولی جواب میں صرف کھلکھلا کے ہنس پڑی تھی۔

" کیا تمہیں واقعی یقین ہے کہ تمہارے بچہ ہوگا ؟ "

" نہیں۔ "

" پھر یہ راکھ کیوں چاٹتی ہو ؟ "

" مجھے اچھا لگتا ہے۔ اماں جی کا دل بھی خوش ہوجاتا ہے۔ "

" مجھے معلوم نہیں تھا۔ تم اس حد تک اپنے آپ کو ڈھال لو گی۔ تم بالکل کہیں آتی جاتی نہیں ہو۔ ایک بھی تم سے چھوٹ گیا ہے یہاں پر انگریزی عورتوں کی ایسوسی ایشن ہے۔ کئی بار وہ تمہیں بلا چکے ہیں۔ ہمارے کلچر میں رچ بس جانا بہت اچھی بات ہے مگر من کو شاد رکھنا چاہیئے۔ کل ایسوسی ایشن والے ارسٹوفینز کا مشہور کھیل اسٹیج کر رہے ہیں۔ ڈولی فنٹس کا انگریزی ترجمہ ہے

بہت عمدہ ہوگا۔ چلتی ہو۔ دو ٹکٹ . . . . "

" ناں . . . . . " جولی جلدی سے سر ہلا کے بولی " کل، تو میرا منگل کا برت ہے۔ "

کنول نے غصے سے پیر پٹک دیا۔ جولی اسے منانے کیلئے جلدی سے اس کے سینے سے لگ گئی اور لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے ریشمی آواز میں بولی "

اماں جی کرواچوتھ پر مجھے جھومر دے رہی ہیں۔ تم مجھے نتھ بنوا دو۔ "

" نتھ۔ ؟ " کنول حیرت سے چیخا۔

" ہاں میں نتھ پہنوں گی۔ " جولی نے اس سے کہا۔

" اماں جی مجھے جنگ پورہ ایک شادی میں لے گئی تھیں۔ وہاں میں نے دلہن کو نتھ پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ ویسی میں بھی پہنوں گی۔ کرواچوتھ کے روز اور چاندی کی تھالی میں گھی کا دیا جلائے گلاب زعفران، چاول ملا کر تمہارے ٹیکا کروں گی، پاؤں چھوؤنگی آرتی اتارونگی اپنے سوامی کی۔ "

کنول ہنس کر بولا۔ " میرا خیال ہے تم بالکل باربیرین بن چکی ہو۔ "

جولی اس کے سینے سے لگے لگے بولی۔ "میرا خیال ہے میں پچھلے جنم میں ہندوستانی تھی۔"

کنول نے جولی کو لپٹا کر پیار کیا۔ وہ جولی کی اس قلب ماہیت پر حیرت زدہ تھا۔ مگر خوش بھی تھا۔ یہ چار سال ان کی ازدواجی زندگی کے بہترین سال تھے۔ جب محبت کی ڈالیاں پھولوں سے بھر گئی تھیں اور جولی کے سنہرے بال کمر تک آنے لگے تھے اور وہ اس کا منہ اپنے بوسوں سے بھر دیتا تھا۔ کہ وہ وفورِ جذبات سے بے بس ہو کر ہانپنے لگتی اور اسے کہنے لگی۔

"بس کرو بس کرو۔ اتنی خوشی مجھے مت دو۔"

اور کنول اس کے سنہرے بالوں کے بادبان کھول کر کہتا۔ "اے کشتی۔ تیرے سنگ کہیں بہت دور جانے کو جی چاہتا ہے۔ کسی انجان ساحل پر لیٹے وہ گیت گانے کو جی چاہتا ہے جو جھاگ کرتی ہوئی سمندری لہریں ساحل کا منہ چوم کر گاتی ہیں۔ اونچے اونچے ناریل اپنے ہرے ہرے چنور ہلا ہلا کر تالی بجاتے ہیں اور خوبصورت پالی نشین طوطے ہوا میں پنکھ پھیلائے محبت کرنے والوں پر شریر بچوں کی طرح آواز کستے ہوئے سروں کے اوپر سے گزر جاتے ہیں۔

یکایک جولی اس سے الگ ہوتے ہوئے کہتی۔ "لو

میں تو بھول ہی گئی اماں جی نے کہا تھا ساسرجی کیلئے میٹھا تیار کر دوں
دہی کب کا فرجیڈیر میں رکھا باسی ہو رہا ہے .... جانے دو سب مجھے
تم میٹھا پیو گے ؟"

"میٹھا نہیں۔ جولی کیا تمھیں اطالوی وائن آرلینڈو کا ریستوراں
یاد نہیں آتا۔ تمھیں کبھی یاد نہیں آتا۔"

"آتا ہے آتا ہے۔" جولی نے اطمینان اور سکون
کی ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "مگر ایک ریستوران کی طرح
نہیں۔ ایک شراب خانے کی طرح نہیں۔ ایک مندر کی طرح یاد
آتا ہے جہاں تم مجھے ملے تھے۔ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے
اور تم مجھے سہارا دے کر اندر لے گئے تھے۔ اب یاد کرتی ہوں
آرلینڈو کو تو وہ دھوتی پہنے نظر آتا ہے اور کانوں میں گھنٹیاں
بجتی ہیں۔"

کنول جولی کے بستر سے اٹھا اور پھر وائن کیبنٹ کی
طرف گیا۔ اب رات تقریباً ختم ہونے کو تھی۔ کھڑکی سے سپیدۂ
سحر جھلکنے کو تھا۔ اور بستر پر لیٹی ہوئی جولی کے چہرے کے خدوخال
نمایاں ہونے لگے تھے۔ تاریکی چونکہ ابھی بالکل غائب نہیں ہوئی
تھی اور اُجالا پوری طرح سے نہیں آیا تھا۔ اس لئے جولی کا چہرہ

آدھا سلیٹی رنگ میں اور آدھا اُجلے رنگ میں نظر آتا تھا۔ اس نے دوسرا ڈرنک بنایا اور بستر کے قریب کھڑا ہو کر جولی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کی آنکھوں کے نیچے گہرے سلیٹی رنگ کے سائے تھے۔ راتوں کو جاگنے کی وجہ سے۔ آج کتنی شاموں کے بعد وہ آرام سے سوئی تھی۔ ہولے ہولے نیچے سڑک پر لندن کا ٹریفک شروع ہو رہا تھا۔ جولی نے ایک خوابیدہ انداز میں کروٹ لی۔ اور اس کی ایک ٹانگ پنڈلی سے نیچے پاؤں تک ننگی ہوئی۔ ابھی تک بے حد متناسب تھی۔

کنول کو یاد آیا۔ آج سے ڈیڑھ دو برس پیچھے دلّی کی گرمیوں کی ایک گھٹی ہوئی اور شام میں کینسن اسپتال کی لیبارٹری میں کام کرتے ہوئے یکایک اسے اس لنگڑی ٹانگ کو ٹھیک کرنے کی ترکیب سوجھ گئی تھی۔ تجربے تو وہ برابر کر رہا تھا۔ جب سے دلّی آیا تھا مگر اسے اب تک کسی تجربے پر اطمینان نہ ہوا تھا۔ آج وہ اپنی غیر متوقع کامیابی پر خوشی سے اچھل پڑا۔

گھر جا کر جب وہ جولی کو بتائے گا کہ اس کی یہ لنگڑی ٹانگ بھی ٹھیک ہو سکتی ہے تو وہ کتنی خوش ہوگی۔ وہ اور اماں جی اور جگر با اور خود اس کے پتا...... لیکن سب سے زیادہ جولی...

اب وہ دوسری عورتوں کی طرح چل سکے گی دوڑ سکے گی۔ اب اس کا جسم بالکل متناسب اور مکمل ہو جائے گا۔

مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جولی پر اس خبر کا اثر بالکل اس کی توقع کے خلاف ہوا۔ خوش ہونے کے بجائے وہ افسردہ ہو گئی۔

"مجھے اس بات کا ڈر تھا۔ کسی دن تم کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں آپریشن نہیں کرانا چاہتی۔"

میں بالکل حیرت زدہ رہ گیا۔ "تم کیا کہہ رہی ہو۔ کیا تم اپنے ہوش و حواس میں ہو؟"

"بالکل . . . . . میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں بالکل . . . . خوش ہوں۔ یہاں مجھے تمہارے گھر میں بالکل خیال ہی نہیں ہوتا کہ مجھ میں کسی طرح کی کوئی خامی ہے۔ رہنے دو اس آپریشن کو۔"

"نان سینس۔ یہ آپریشن تو تمہیں کرانا ہی ہوگا۔ کس قدر میرا جی چاہتا ہے۔ تمہارے ساتھ بیڈمنٹن اور ٹینس کھیلنے کو تمہاری وجہ سے میں نے یہ دونوں کھیل چھوڑ دیئے ہیں۔"

وہ چپ رہی۔ سر جھکائے ہوئے۔

" جولی۔ "

" ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ " اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

" کیا۔ کیا بات ہے ؟ "

" کچھ نہیں۔ یونہی مجھے ڈر لگتا ہے۔ "

" ڈر کس بات کا پگلی ؟ تم نے اس زمانے میں اتنے آپریشن سہہ لئے جب تم موت اور زندگی کے درمیان لٹک رہی تھیں۔ اب تو کوئی خطرہ نہیں ہے بالکل معمولی آپریشن ہے تین مہینے میں ٹھیک ہو جاؤ گی۔ "

تین مہینے بعد میں نے ایک چمکتی ہوئی صبح اپنی کوٹھی کے وسیع مغربی لان میں لے جا کے اس کی پٹی کھولی۔ بید کی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی زعفرانی رنگ کی ساڑھی پہنے ہوئے اور اس کی پشت پر لان کی باڑھ میں سرخ رنگ کی بوگن ویلیا پھیلی ہوئی تھی۔ اور گملوں میں سفید کارنیشن چمک رہا تھا۔ میں لان کے دوسرے کنارے کھڑا ہو گیا اور ہاتھ پھیلا کر کہنے لگا۔ " آؤ۔ "

وہ اپنی کرسی سے اٹھی۔ دونوں پاؤں پر اس نے پورا بوجھ ڈالا۔ ٹھٹھکی، چند قدم ہولے ہولے چلی پھر کچھ تیز، پھر اک

دم دوڑتی ہوئی ہاتھ پھیلائے خوشی سے روتی ہوئی وہ میری باہوں میں آ گئی۔ اس کا سارا جسم مسرت اور محبت سے کانپ رہا تھا۔ اور وہ میرے کندھے پر منہ چھپائے رو رہی تھی اور لپٹ رہی تھی۔

" میں مکمل ہوں۔ میں مکمل ہوں ..... کنول ... میں مکمل ہوں ..... آخر کار ..... "

یہ اس کا پہلا ردِ عمل تھا۔ دوسری بار جب میرے پتاجی نے اس کی صحت یابی کی خوشی میں ایک بڑی پارٹی دی اور اس سے پوچھا۔

" وہ کیا چاہتی ہے ؟ "

تو جولی نے سوچ سوچ کر کہا۔

" مجھے ایک سوئمنگ پول چاہیئے۔ "

میں اس کی فرمائش سن کر مسکرا دیا۔ مجھے یاد آیا۔ لندن میں فرصت کے اوقات میں جولی کو تیراکی بہت پسند تھی۔ وہ جب بھی موقع ملے بکنی پہن کر کسی سوئمنگ پول میں گھس جاتی تھی۔

ہمارا گھر بہت بڑا تھا۔ اور اس کے اردگرد باغ بھی بہت پھیلا ہوا تھا۔ یہ پرانے زمانے کا مکان تھا۔ جب لوگ رہنا جانتے تھے۔ آج کل تو لبس ٹکتے ہیں۔ کسی فلیٹ میں ٹک

گئے۔کسی بورڈنگ ہاؤس میں،کسی بالکونی میں سیڑھیوں کے نیچے۔
آج کل لبس ٹک سکنے کی جگہ چاہیئے۔رہنے کا زمانہ گزر گیا۔

بتاجی نے مغربی باغ کے ایک بڑے لان کو کھدوا کر
وہاں نئے ڈھنگ کا ایک سوئمنگ پول بنوا دیا۔ایک ہفتے تک
جولی اس سوئمنگ پول سے نہیں ہٹی۔اپنے دن کا بیشتر حصہ یہیں
گزارتی تھی۔یہیں ڈبکی لگاتی تھی۔یہیں ناشتہ کرتی تھی۔بالکل پاگل
ہوگئی تھی۔وہ اس سوئمنگ پول کیلئے گہرے آسمانی رنگ کی بکنی
میں وہ پول میں تیرتی ہوئی آسمانی ابابیل معلوم ہوتی تھی۔اس کا
موزوں متناسب جسم معلوم ہوتا تھا کسی خراد پر ڈھالا گیا ہے...
تم کوئی نقص اس میں نہیں دیکھ سکتے۔

نہانے کے بعد تولئے سے جسم صاف کر کے وہ ایک
کھلا بلاؤز اور اسکرٹ پہننے لگی۔اس سے بڑا آرام ملتا ہے۔
نہانے کے بعد اسکرٹ کے ساتھ اونچی ایڑی کا جوتا آیا۔سینڈل
کم ہونے لگے۔نہانے میں اکثر اس کے لانبے لانبے سنہری
بال گیلے ہو جاتے تھے۔حالانکہ وہ سر پر ایک شفاف ٹوپی
پہنتی تھی۔مگر پانی ہے پہنچ ہی جاتا ہے۔اب اسے اپنے لمبے
بالوں سے الجھن ہونے لگی۔

ایک دن اس نے اپنے لمبے بال کٹوا دیئے۔ اماں جی نے بُرا مانا اور جگریا پر تو جیسے غشی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ مگر وہ دونوں خاموش رہیں۔

ہولے ہولے جولی نے زنانے میں جانا کم کر دیا۔ اسکرٹ پہننے کی وجہ سے وہ دوسری ہندوستانی عورتوں کی طرح آم یا جامن کے پیڑ کے چبوترے پر، پلنگ پر پھسکڑ مار مار کر نہ بیٹھ سکتی تھی۔ پیڑھی پر بیٹھ کر مٹھا نہیں بنا سکتی تھی۔ اس کے سُسر جی اکثر اس کے ہاتھ کا بنا ہوا مٹھا پیتے تھے۔ اب یہ فرض پہلے کی طرح پھر اماں جی سر انجام دینے لگیں۔ بہت ہی غیر محسوس طریقے پر جولی اور گھر کی دوسری عورتوں میں ایک ان دیکھی دیوار سی اُبھرنے لگی۔ کوئی کسی سے کسی امر کی شکایت نہیں کرتا تھا۔ مگر ایک دن جولی نے کنول سے کہا۔

" میرا کمرہ مردانے ہی میں ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ زنانے میں ہر وقت بے کار کی بک بک رہتی ہے۔ بہت باتیں کرتی ہیں تمہارے گھروں کی عورتیں۔ کتنا وقت برباد ہوتا ہے۔"

کنول نے پلکیں اٹھا کر غور سے جولی کی طرف دیکھا جولی نے اپنی نگاہ اس سے نہیں ملائی۔ بولی۔ " میں

کچھ کام کرنا چاہتی ہوں۔ گھر میں پڑے پڑے سڑنے لگی ہوں۔"

"تو پھر برٹش وومن ایسوسی ایشن جوائن کر لو۔"

جیسے جولی کنول سے یہی بات سننے کی منتظر تھی دوسرے روز وہ مسز لیگ ہارٹ سے ملنے چلی گئی جو برٹش وومن ایسوسی ایشن کی سیکرٹری تھی۔ اس دن لنچ بھی اس نے وہیں کھایا۔ اماں جی دیر تک اس کا کھانا لئے بیٹھی رہیں۔ دوپہر کے بعد کوئی تین بجے کے قریب جولی کا ٹیلی فون آیا۔ کہ اس نے لنچ لے لیا ہے اس کا انتظار نہ کیا جائے۔"

جب جولی نے روز صبح سویرے گھوڑے کی سواری شروع کر دی تو بڑی بہو کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے دبے الفاظ میں اماں جی سے شکایت کی۔

"یہ چھوٹی بہو کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟"

اماں نے تنک کر کہا۔

"میں کیا جانوں پوچھ جگریا سے۔!"

ہولے ہولے جولی کی انگریز سہیلیوں نے ہمارے گھر پر آنا شروع کیا۔ اب جولی ان کے لئے الگ پارٹیاں دینے لگی جس میں اماں جی، بڑی بہو، جگریا اور دوسری باعزت ملازمائیں شریک

نہ ہو سکتی تھیں۔ بیڈ منٹن اور ٹینس کے میچ برابر ہوتے تھے اور سوئمنگ پول میں تیراکی کے مقابلے، انگریز اور امریکی عورتوں نے مل کر نئی دلی میں جو فیشن پریڈ کی تھی اس میں جولی اوّل نمبر پر آئی تھی۔ برٹش وومن ایسوسی ایشن کے ریتوئیل ہال میں ناچنے کے مقابلے میں جولی اور میجر گراس ویٹ کا جوڑا سب سے اچھا سمجھا گیا۔

ریڈ کراس اسپتال میں آنکھوں کیلئے ایک علیحدہ شعبہ کھولا جا رہا تھا بڑے پیمانے پر۔ دوسرے یوروپی سفارت خانوں کے لوگ بھی اس کارِ خیر میں مدد دے رہے تھے۔ ان سب کے صلاح و مشورے سے مولیار کا ایک مشہور طنزیہ ڈرامہ انگریزی میں کھیلنے کی تجویز کی گئی۔ اس میں ایک اہم پارٹ جولی کو دیا گیا۔

جولی اس عزت افزائی پر بہت خوش تھی۔ دن رات محنت کرتی تھی۔ اب اس کا زیادہ وقت ریہرسل ہال میں گزرنے لگا۔ میجر گراس ویٹ اس ڈرامے کا ڈائرکٹر تھا۔ بہت ہی لائق مگر کسی قدر سخت گیر۔

کبھی کبھی میں دوپہر کو یا شام کو اسپتال سے فارغ ہو

کر جولی کو اپنے ساتھ کر لیتا تھا۔ وہ گہرے انہماک سے اپنے پارٹ کی اداکاری کر رہی تھی۔ اور ڈرامے اور اس کی دیگر تفصیلات میں گہری دلچسپی لے رہی تھی۔

"پہلے تین راتوں کے سارے ٹکٹ بک ہو چکے ہیں۔"

"گوڈ نیوز۔"

"ہیری نے یہ ڈرامہ پیرس میں دیکھا تھا۔"

"کون ہیری۔؟"

"ہیری گراس ویٹ اور کون۔؟"

جولی میری طرف متعجب ہو کر دیکھنے لگی یعنی میں بھی کس قدر بے وقوف ہوں جو میجر گراس ویٹ کا پہلا نام نہیں جانتا

"ہیری کہہ رہا تھا کہ اس ڈرامے میں یہ پارٹ ایک مشہور فرنچ ایکٹرس نے کیا تھا۔ نام بھی بتایا تھا اس نے مجھے اس وقت یاد نہیں رہا اور ہیری کہہ رہا تھا کہ اس فرنچ ایکٹرس نے بھی اس ڈرامے میں اس مہارت کا ثبوت نہیں دیا تھا جو میری اداکاری سے نمایاں ہے۔"

"بہت خوب۔"

"کیا بات ہے؟" جولی کنول کے لہجے پر چونک پڑی۔

"تم کچھ خوش نہیں معلوم ہوتے۔"

"نہیں۔ میں بالکل خوش ہوں۔ اگر میں اس وقت گاڑی نہ چلا رہا ہوتا تو تمہیں چوم لیتا۔"

خیریت گزری کہ اس بار جولی نے میرے لہجے کو طنز نہیں سمجھا۔ یا اس کے پلے نہیں پڑا یا وہ اسے پی گئی۔ کچھ بھی ہو۔ اس نے اپنا بازو میری کہنی سے ٹکا لیا اور دوسرے بازو سے اپنے بالوں کو ٹھیک کرتی رہی۔

کرداچوتھ کے روز جولی اماں جی سے کہہ گئی تھی کہ وہ ٹھیک چھ بجے واپس گھر پہنچ جائے گی۔ وہ ریہرسل کیلئے بھی نہ جاتی مگر ڈرامے کے دن قریب آرہے تھے اور کل گرانڈ ریہرسل ہے اس لئے اس کا جانا بہت ضروری ہے۔ ویسے میں نے برت رکھ لیا ہے۔

یہ جھوٹ تھا۔ کیونکہ جب مجھے پتہ چلا کہ اس کے لئے اس ریہرسل میں جانا بہت ضروری ہے اور دن بھر کام کرنا ہوگا تو میں نے خود اسے پیٹ بھر کر ناشتہ کر لینے کی صلاح دی۔ اور خود میں نے ہی اماں جی سے اس خبر کو چھپا لیا اور جولی کو ناشتہ کرا کے بھیج دیا۔

شام کے چھ بجے سے اماں جی جولی کا انتظار کرنے لگیں
آٹھ بجے کے قریب اس کا ٹیلی فون آیا۔ کنول نے ریسیو کیا۔
" ڈارلنگ۔ میں کسی طرح نہیں آسکتی دس بجے سے پہلے۔
ریہرسل چل رہی ہے اور ہیری میرے کام سے مطمئن نہیں ہے اور
بھی کئی نقص ہیں اور کل گرانڈ ریہرسل ہے اماں جی کو کسی طرح
بتا دو۔ میں دس بجے سے پہلے نہیں آسکتی۔ آتے ہی تمہاری پوجا
کرلوں گی..... بائی..... "
ٹیلی فون رکھ دیا گیا
کنول اماں جی کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اماں
جی کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑی وہ اس کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ گئی
تھیں۔ وہ چپ چاپ منہ موڑ کر زنانے میں چلی گئیں۔ کنول اپنے
کمرے میں بیٹھ کر اپنے ریسرچ نوٹ کا مطالعہ کرنے لگا۔ اسی
میں نو بج گئے۔ دس بج گئے۔ ساڑھے دس بج گئے۔ پونے گیارہ
بجے کے قریب اماں کنول کے کمرے میں آئیں پیچھے پیچھے جگریا
پوجا کی تھالی اُٹھائے ہوئے، تھالی میں آٹے کا دیا گھی سے بھرا
ہوا، چندن، کیسر، گلاب، چاول، گلاب اور گنگا جل، کھوپرا سیب
ناشپاتی اور تھوڑی سی مٹھائی۔ اماں کے ہاتھ میں دو ڈبے تھے۔

ایک ڈبے پر لال مخمل منڈھی تھی۔ اِسے کھول کر اماں جی نے مجھے بتایا " یہ جہانگیریاں میں نے چھوٹی بہو کیلئے بنوائی تھیں۔ کرواچوتھ کیلئے۔"
پھر انہوں نے دوسرا ڈبہ کھولا اور اس میں ایک بنارسی ساڑھی، بلاؤز اور پیٹی کوٹ رکھا ہوا تھا۔ زیور بھی نیا تھا کپڑے بھی نئے تھے۔ اماں جی اپنی بہوؤں کو کرواچوتھ کے دن سب کچھ پہناتی تھیں۔ انہیں مندر لے جاتی تھیں پھر گھر آ کے پتی کی آرتی اتاری جاتی تھی اور سب کچھ چھوٹ جائے لیکن کسی بیاہتا استری سے کرواچوتھ کا تیوہار نہیں چھوٹ سکتا کیونکہ کرواچوتھ پوجا کا تیوہار ہے سندر اس کے اپنے سہاگ کا پوتر تیوہار۔ جولی کو یہ سب معلوم تھا۔ وہ ہر سال بڑے چاؤ اور شوق سے یہ تیوہار منایا کرتی تھی۔ اس کا نہ منانا ہی ایک بہت بُرا شگن ہے۔
" پتی پوجا کا وقت تو گزر گیا ہے.... مگر جس سمے بہو آئے اُسے یہ کپڑا اور زیور دے دینا اور کہنا" اماں جی بولیں " کہ سونے سے پہلے بھگوان کو ساکشی کر کے پتی پوجا کرے...... یہ نیا زیور بھی پہن لے اور یہ ساڑھی بھی...." اس وقت جگریا کی آنکھوں میں آنسو تھے
" میں کہہ دوں گا اماں جی۔" کنول نے اپنی اماں کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ " وہ بیچاری ریہرسل میں پھنس گئی ہوگی۔ نہیں آسکی۔ اب آتی ہی ہوگی۔ آتے ہی میں اُسے کہہ دونگا وہ تو خود اس

تیوہار کو بڑے شوق سے مناتی ہے۔ یہ جہانگیر ہاں سچ مچ کتنی خوبصورت ہے تو انھیں دیکھ کر ہی خوش ہو جائے گی۔

کنول کی بکواس کا اماں جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جیسے آنسو پی کر اپنے بیٹے سے دلی جذبات چھپائے ہوئے اس کے سامنے سے مڑ گئیں اور گھوم کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے جگریا بھی چلی گئی۔

کنول نے سب چیزیں اٹھا کے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیں۔ پھر اپنے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا اور کپڑے بدل کر اور بتی بجھا کے گرم گرم لحاف میں لیٹ گیا۔ جاڑوں کے دن تھے اور وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اسے جلد نیند آ گئی۔ کوئی دو بجے کے قریب اسے اپنے قریب سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ وہ کروٹ لئے لیٹا تھا جولی کا ہاتھ اس کے کندھے سے سرک کر اس کے سینے پر آ گیا۔ دوسرا ہاتھ اس کے بالوں کو پھسلانے لگا۔

"سو گئے کیا؟" "کیا وقت ہو گا؟"

"دو بج رہے ہیں..... واقعی بہت دیر ہو گئی ڈارلنگ مگر کیا کرتی۔ ریہرسل کوئی ایک بجے ختم ہوئی۔ اب جا کے کہیں بستر

پہنچی ہوں۔ اُف کس قدر تھک گئی ہوں۔ نیند سے گری پڑتی ہوں۔"

کرواچوتھ کی کوئی بات نہیں کی اس نے۔ شاید دھیان سے اتر گیا ہوگا۔ مگر میں بھی کیوں یاد دلاؤں۔ کنول نے سوچا۔ وہ میرے مطالعے کے کمرے سے آرہی ہے۔ بیڈ روم تک آنے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے یقیناً اس نے مطالعے کے کمرے میں آکے روشنی کی ہوگی۔ سینٹر ٹیبل پر پھیلی ہوئی ساڑھی، بلاؤز کو دیکھا ہوگا۔ زیور کے ڈبے کو بھی۔ ان چیزوں پر اس کی نظر ضرور پڑی ہوگی۔ اس کے بعد بھی اگر اسے کرواچوتھ کا یاد نہیں ہے تو میں کیوں یاد دلا کے اپنی ہیٹی کراؤں .... میں نہیں بتاؤں گا اسے۔ کنول کو غصہ آنے لگا۔

جولی کا ہاتھ اب اس کے بالوں سے نکل کر اس کے ماتھے کو ٹٹول رہا تھا۔ ماتھے سے کہیں اگر وہ آنکھوں پر آگیا تو اس کی انگلیاں کنول کے آنسوؤں سے بھیگ جائیں گی اور اُسے معلوم ہو جائے گا کہ میں رو رہا ہوں۔ رام اس کی انگلیوں کا رخ پھیر دے ....

جولی کی انگلیاں ماتھے سے پلٹ کر اس کے کانوں کی لو پر چلی گئیں۔ یہاں سے اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر.... جولی آہستہ سے بولی۔ "گڈ نائٹ ڈارلنگ۔ مجھے بہت نیند آرہی ہے۔"

وہ اطمینان کا ایک لمبا سا سانس لے کر اپنے دونوں بازو

اس کے سینے پر رکھ کر سو گئی۔ مگر کنول دیر تک جاگتا رہا۔ آہستہ سے اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں اور پھر دیر تک جاگتا رہا۔

جولی کو یاد آیا کہ ولٹشایر میں اس کا ایک چچا رہتا ہے حالانکہ ایک بار جولی اور کنول نے ولٹشایر ڈاونز میں دو دن پکنک کے گزارے تھے مگر اس بار جولی نے وہاں اپنے کسی انکل کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب وہ اپنے چچا سے خط و کتابت کرنے لگی۔ پھر لندن میں اپنی دوسری سہیلیوں سے ..... کرواچوتھ کے واقعے کے کوئی چھ ماہ بعد اس نے کنول سے کہا۔ "میں انگلینڈ جانا چاہتی ہوں۔ میرا چچا بیمار ہے۔ تم بھی چلو۔ تم بھی بہت عرصے سے انگلینڈ نہیں گئے ہو۔ کیا تمہیں لندن یاد نہیں آتا۔؟"

"پہلے چار سال تو تمہیں بھی لندن یاد نہیں آیا تھا۔ نہ اپنا چچا نہ اپنی لندن کی کوئی سہیلی۔" کنول نے طنز کیا۔

"اب یاد آتا ہے سب کچھ۔" "کیوں؟"

"کہہ نہیں سکتی۔ لندن جانا چاہتی ہوں۔"

"تو جاؤ۔ میں ہوائی جہاز سے تمہاری سیٹ بک کئے دیتا ہوں۔"

"تم نہیں جاؤ گے؟" "میں اس وقت ایک بہت اہم ریسرچ میں مصروف ہوں۔ پھر مجھے اسپتال سے اتنی

جلدی چھٹی نہیں ملے گی۔ تم ہو آؤ۔ کتنے دن کیلئے جانا چاہتی ہو۔ ؟ "
"صرف پندرہ دن کیلئے۔ " پندرہ دن گزر گئے بیس
دن گزر گئے۔ ایک مہینہ گزر گیا، دو مہینے گزر گئے پھر جولی کا ایک خط
آیا۔ "فوراً لندن آجاؤ۔ تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ "
میں خط لیکر لندن پہنچ گیا۔ کنگسٹن گارڈنز والے دو کمروں کے
فلیٹ میں جہاں جولی رہتی تھی اس فلیٹ میں جولی نے سب سے
پہلے مجھے بتایا تھا کہ وہ اب واپس ہندوستان نہیں جائے گی۔ اگر میں
اس سے پیار کرتا ہوں تو مجھے یہیں انگلینڈ میں اس کیساتھ رہنا پڑیگا۔"
"کیوں۔ ؟ " میں نے پوچھا۔
"کیونکہ میں ساڑھی نہیں پہن سکتی۔ "
"چار برس تک تم نے ساڑھی پہنی۔ "
" اس وقت تک میں مکمل نہ تھی۔ لنگڑی تھی۔ جونہی میرا لنگ
دور ہوا۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ ساڑھی ایک آہستہ خرام لباس ہے
میری حرکت میں حائل ہوتا ہے۔ تم جانتے ہو یورپی عورتیں ہندوستانی
عورتوں سے دگنا تیز چلتی ہیں۔ "
"چل کر کہاں جاتی ہیں۔ بچہ تو نو مہینے میں ہی جنتی ہیں۔ آج
تک کبھی نہ سنا ہوگا کہ کسی انگریز عورت نے نو مہینے کے بجائے چوتھے

مہینے، بچہ جن دیا ہو۔"

"انگریزی لباس زیادہ آرام دہ ہے۔"

"آخری ڈیڑھ برس میں تم انگریزی لباس میں ہی رہی تھیں۔

اماں جی کے اعتراض کے باوجود میں نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔"

"مجھے جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہی نہیں ایک سرے سے۔"

"یوں نہ کہو۔ تم تو اس سسٹم میں ڈوب گئی تھیں۔ مندر بھی جاتی تھیں کچن میں بھی کام کرتی تھیں۔ برت بھی رکھتی تھیں پوجا بھی کرتی تھیں چار سال تک تمہاری پوری زندگی ایک ہندوستانی عورت، ایک خوشمزاج ہندوستانی بہو کی طرح گزری۔ ہر وقت اماں جی کے کولہے سے لگی رہتی تھیں تم..... پھر اچانک کیا ہو گیا۔؟"

"میں ٹھیک سے بتا نہیں سکتی۔ لگتا ہے جیسے کہیں پر وہ مجبوری کی زندگی تھی، میں لنگڑی تھی مکمل نہ تھی۔ لندن میں ہر شخص کی نظر مجھ پر رحم اور ہمدردی سے پڑتی۔ دلی میں نہیں تمہارے گھر پر نہیں تمہارے زمانے میں جیسے میں بیسویں صدی سے بہت دور تھی۔ لیکن جس دن میں مکمل ہو گئی میرے پرانے دن پھر سے جاگ اُٹھے۔ ایک ایک کر کے مجھے زیادہ حرکت، زیادہ کام، زیادہ تیزی سے اپنے پاس بلانے لگے شاید تمہارا کلچر ایک لنگڑا کلچر ہے آہستہ رو ہے بہت دھیرے سے آگے بڑھتا ہے یا شاید آگے ہی نہیں بڑھتا ہے سینکڑوں بلکہ ہزاروں

سال تک ایک ہی منزل پر ٹکا رہتا ہے جب تک میں لنگڑی تھی سب ٹھیک تھا۔ میں وہاں رچ اور بس گئی تھی مجھے کچھ بُرا نہیں لگتا تھا۔ مگر جب تم نے مجھے دوسرا پاؤں دیدیا تو دن بدن بے چین ہوتی گئی۔ لندن کی تیز رفتار زندگی مجھے اپنے قریب کھینچنے لگی۔ ذرا ایک ملے کیلئے سوچو کنول جب میرے دونوں پیر سلامت ہیں تو میں گھنٹوں جامن کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر انتظار کیوں کرتی رہوں۔ بال روم میں ڈانس کیوں نہ کروں زندگی بہت مختصر ہے۔ اور میں بھرپور زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں جو صرف یورپ میں ممکن ہے ....."

"بھرپور زندگی ؟" میں سوچنے لگا۔ "جولی بھرپور زندگی سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا زیادہ چلنا۔ ہر وقت بےچین اور مضطرب رہنا، ایک بیتاب تتلی کیطرح ایک خواہش سے دوسری خواہش کے گرد طواف کرنا ..... کیا صرف یہی بھرپور زندگی ہے۔ شاید وہ بھی بھرپور زندگی بسر کرسکتے ہیں جو زیادہ حرکت نہیں کرتے۔" مجھے اپنی اماں جی یاد آنے لگیں۔ " سال میں آٹھ دس بار سے زیادہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی ہوں گی ان کی ساری زندگی زنانے کے آنگن میں ہی گزر جاتی ہے۔ انہوں نے کبھی ٹینس نہیں کھیلا۔ گھوڑے کی سواری نہیں کی۔ کوئی کلب جوائن نہیں کیا۔ گاڑی وہ نہیں چلا سکتیں۔ پرائے

مردوں کے سنگ وہ نہیں ناچ سکتیں مگر کیا تم کہو گی کہ انہوں نے بھرپور زندگی نہیں گزاری ہے وہ محبت جو گھونگھٹ کی آڑ میں ہے وہ پیار جو خدمت میں ہے وہ فلسفہ جو تلسی کی دیوی میں ہے وہ زندگی جو زیادہ سے زیادہ دوسروں کیلئے وقف ہے اس کا تم اپنے یورپ کی زندگی سے کیسے مقابلہ کرو گی۔ ایک سمندر کی بےچین لہر، دوسری آنگن میں مہکتی پھلواری ایک آگ کیطرح جلتی ہے دوسری پھل کی طرح پکتی ہے محبت میں ایک کے ہاتھ گردن کیطرف بڑھتے ہیں دوسرے کے پاؤں کیطرف جھکتے ہیں۔ ایک جلو میں سفر کرتی ہے دوسری متوازی کیفیت میں چلتی ہے۔ میں ایک دوسری سے مقابلہ کیسے کر سکتا ہوں دونوں مختلف کیفیتیں ہیں مختلف درجے ہیں زندگی بنانے کے دو مختلف رنگ ہیں۔ اگر مقابلہ کرنا ہی ہے تو ساٹھ برس کی عمر میں کرو۔ ساٹھ برس کی ایک اوسط یورپی عورت کو اماں جی کے سامنے لاؤ۔ اور پھر مقابلہ کرو بھرپور زندگی کا وہاں پر فیصلہ ہو گا یورپی عورت ایک پرانی شکستہ کھوکھا نما کار کیطرح دکھائی دیگی جس نے جوانی میں بہت تیز سفر کیا ہے اور اب جیسے یورپ کے بےحد مصروف زندگی کے کباڑ خانے میں ڈال دی گئی ہے اور اماں جی آج گھر کے آنگن کے وسط میں تلسی کی دیوی کی طرح کھڑی ہیں جس کے اردگرد آم اور جامن کے پیڑ ہیں جہاں رات کی رانی کھلتی ہے۔ بہوئیں گھونگھٹ کاڑھے پاؤں

چھوتی ہیں۔ دیواروں پر لو کی بیلیں جھولتی ہیں جگریا کلّے میں گلوری دبائے کھڑی ہے اور اماں جی چاندی کے گلاس میں میٹھا بھر کر اور گلاس کو ذرا اونچا کر کے اور گھونگھٹ کو ذرا سا نیچے کر کے کہتی ہیں۔

" اُن کو دے آؤ جگریا۔ "

وہ آج بھی اتنی عمر گزر جانے پر اپنے خاوند کا نام نہیں لے سکتیں میں کیسے ان کا مقابلہ کر سکتا ہوں اس یورپی عورت سے جو دن میں دو سو دفعہ اپنے خاوند کو ڈارلنگ کہتی ہے اور سمجھتی ایک دفعہ بھی نہیں ..... مجھے نہیں معلوم کون بھرپور ہے۔ کون بھرپور نہیں ہے مجھے یقین نہیں ہے کہ تم ابھی کوئی فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہو۔ "

" حق بجانب ہوں کہ نہیں یہ تو میں نہیں جانتی اتنا ضرور جانتی ہوں کہ کیا سچ ہے اسے معلوم کرنے کیلئے میں ساٹھ سال انتظار نہیں کر سکتی۔ شاید تم بھی نہیں کر سکتے۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ پیار سے مطلب میرے اپنے ڈھب، رنگ اور مزاج کا پیار ہے۔ اگر تم ضد کر کے مجھے واپس دلّی لے گئے تو میں مرجھا جاؤں گی۔ ہو سکتا ہے پھر بھاگ آؤں۔ وہاں میرا دل نہیں لگے گا۔ یہاں تمہارے بغیر خوشی نہیں ملے گی سوچ لو ..... "

کیا سوچوں۔ جولی کو چھوڑنا بھی مشکل ہے۔ جولی سے رشتہ

بھی تو عجیب سا رشتہ ہے، صرف خاوند بیوی ہی کا رشتہ نہیں کچھ ایسا لگتا ہے جیسے جولی میرے بدن کا ایک حصہ ہو۔ جولی جانتی ہے اس کے بدن میں میرے بدن کی ایک پسلی شامل ہے جو میں نے آپریشن کے ذریعہ اسے دی ہے۔ شاید اسی طرح آدم کی پسلی سے حوّا پیدا ہوئی۔ میں حوّا کی بیٹی کو کیسے چھوڑ سکتا تھا . . . . . دو تین دن سوچنے کے بعد میں نے جولی کو بتا دیا کہ لندن میں پھر سے کام شروع کرتا ہوں۔ سینٹ جارج اسپتال میں مجھے وہی پرانی ملازمت مل گئی۔ اور میں جولی کے ساتھ رہنے لگا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جولی میرے ساتھ دلّی میں رہتی مگر مجھے اُمید تھی کہ جولی کا یہ فیصلہ عارضی فیصلہ ہوگا۔ برس دو برس میں، میں اِسے دلّی چلنے کیلئے رضا مند کر لوں گا۔

مگر اس کے ارادے پورے نہیں ہوئے۔ وہ راستے جو دلّی میں ایک دفعہ الگ ہوئے تھے پھر ساتھ رہنے سے بھی دوبارہ مِل نہ سکے۔ ہوتے ہوتے جولی الگ اپنے راستے پر جانے لگی۔ کنول اپنے کام اور اپنی ریسرچ میں ڈوبتا گیا۔ جولی کے کیس کی کامیابی نے اس کے ذہن اور فکر کو اپنے من پسند موضوع کی طرف اور بھی راغب کر دیا تھا۔ اس کی دلچسپیاں کچھ گھمبیر اور سنجیدہ ہوتی گئیں وہ جولی کے شوخ اور کھلنڈرے دوستوں کو پسند نہیں کرتا تھا اور

جولی اس کے بور ڈاکٹروں اور سائنس والوں کو۔

کبھی کبھی اپنی طبیعت پر جبر کر کے وہ جولی کے دوستوں میں چلا جاتا۔ وہ ایک خوش شکل وجیہہ، صحت مند مضبوط آدمی تھا۔ کچھ عرصے کیلئے وہ ان سے ان ہی کے محاورے میں گفتگو کرتا۔ شگفتہ شوخ چنچل سطحی گفتگو، تیز سپورٹس کاروں، ہنگامی میوزک کے ریکارڈوں اور پک نک کی چھچھوری حرکتوں میں حصہ لیتا۔ مگر بہت جلد اکتا جاتا۔ چند دنوں کے بعد وہ اپنے آپ کو الگ تھلگ پاتا۔ اس کی زندگی کی گرامر ہی الگ تھی۔

" تم انگلینڈ میں پچاس برس رہو گے پھر بھی اجنبی رہو گے۔ اپنی انگریز بیوی کیلئے بھی اجنبی۔ " جیمس کلفٹ نے ایک طنزیہ مسکراہٹ سے اس سے کہا تھا۔ جب وہ اس سے ایک روز ملنے گیا تھا اور مشورہ لینے گیا تھا۔

" تمہاری غلطی یہی رہی کیونکہ تم نے جولی کا لنگ ٹھیک کیا تمہاری ساری کی ساری مصیبتیں اس ایک دن سے شروع ہوتی ہیں۔ اگر وہ زندگی بھر لنگڑی رہتی تو زندگی بھر ہندوستان میں رہتی۔"

" آپ کا کہنے کا مطلب ہے کہ ہندوستان میں صرف لنگڑی عورتیں رہ سکتی ہیں۔ "

جم زور سے ہنسا۔ "مجھے تم بالکل غلط سمجھے ہو کنول۔ میں تمہیں ایک بالکل دوسری ہی بات سمجھا رہا تھا۔ جب تک وہ اُدھوری تھی وہ کسی اجنبی سے اجنبی دیس میں رہ سکتی تھی۔ مگر مکمل ہونے کے بعد۔ مائی لوائے ..... کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جونہی کوئی چیز مکمل ہوتی ہے اپنی ابتدا کو لوٹتی ہے۔ یہ ایک کاسمک لا ہے۔"

"جہنم میں جائے تمہارا کاسمک لا۔" یکایک کنول کو غصہ آگیا تھا۔ اور اس نے شراب کا جام آتش دان میں کھینچ مارا تھا۔ اور جمیس کلفٹ خفا ہونے کے بجائے ہنس پڑا تھا۔

اکتوبر میں اُسے دسہرہ یاد آیا تھا۔ نومبر میں دیوالی دسمبر میں جب لوگ کرسمس منا رہے تھے وہ کناٹ پلیس میں گھوم رہا تھا۔ اس کی جیبیں چلغوزوں اور بھُنے ہوئے پستوں سے بھری تھیں۔ اس کا دل چاٹ کھانے کو چاہ رہا تھا۔ لندن کی سرد، سرمئی ملگجی شاموں میں چاٹ کھانے کو جی چاہے گا۔ اس کیلئے چمکتی دھوپ کی ضرورت ہے۔ نیلے آسمان کی اور شوخ رنگ ساڑھیوں کی .....'

پھر بھی وہ رہتا۔ شاید من مار کر رہتا۔ جیسے اب رہتا تھا مگر رہتا ضرور۔ کیونکہ ہر رات کو جولی گھر پر آجاتی تھی۔ اپنے انداز میں اس کے لئے پرخلوص تھی۔ اپنے طریقے سے وہ اس سے محبت

کرتی تھی۔ چاہتی تھی اور خیال کرتی تھی۔ نیا سال انہوں نے اکٹھے منایا تھا۔ رات بھر خوشی سے ناچتے اور پیتے رہے تھے۔ صبح کو سو گئے تھے۔ سہ پہر کو اُٹھے تھے تو کنول کو اپنے بستر کے تکیے کے نیچے جولی کا خط ملا۔

" میں دو دن کیلئے ہسٹینگز جا رہی ہوں۔ ضروری کام ہے۔ تم پریشان نہ ہونا۔ آ کے سب بتا دوں گی۔ "

" تمہاری جولی "

دو دن گزر گئے۔ پانچ دن گزر گئے۔ جولی نہیں آئی سات جنوری کو جم نے اسے بتایا کہ اس نے جولی کو ایک رنگین پارٹی میں پیرس میں دیکھا تھا۔ وہ یقیناً ہسٹینگز نہیں گئی تھی یا ممکن ہے ہیسٹنگز سے پیرس چلی گئی ہو۔ بہت عمدہ پارٹی تھی۔ بے حد متمول امیر زادوں کی پارٹی تھی اور جولی ان سب میں شہزادی کی طرح سجی سنوری سب کی توجہ کا مرکز تھی۔

جم کا استہزائیہ لہجہ اس کی نگاہ کی خفیہ حقارت، اس کی ہنسی کا انداز خون کھولا دینے کیلئے کافی تھے۔ کنول چپ رہ گیا اس کا ردِعمل دیکھ کر کلفٹ بھی خاموش ہو گیا۔ مگر اس کی خاموشی کہے دیتی تھی۔ کہ اگر وہ چاہے تو جولی کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔

جب جم چلا گیا تو بار بار اس کے کہے ہوئے طنزیہ جملے

اپنے آپ کو کنول کے دل میں دہرانے لگے۔ "جولی ہر ماہ اپنی کار بدلتی ہے، ہر دوسرے ماہ اُسے پیرس کے فیشن کے مطابق ڈریس چاہیئے اس تیز رفتار ہر آن بدلتی ہوئی زندگی میں صرف شوہر نہ بدلا جائے۔ یہ تو حماقت ہوگی..... اور جولی میں ہزار عیب ہوں مگر وہ احمق نہیں ہو سکتی۔"

کنول اتنا تگڑا اور مضبوط تھا کہ جم کے جبڑے توڑ سکتا تھا اور اسے ہمیشہ کیلئے خاموش کر سکتا تھا۔ اس پر بھی اگر وہ خود خاموش رہ گیا تو اس لئے کہ جولی کی طویل غیر حاضری اُسے خود شدید الجھنوں ــــ اور وسوسوں میں ڈال رہی تھی۔

پھر کنول نے ایک فیصلہ کیا۔ اور جس روز اس نے یہ فیصلہ کیا اس رات جولی واپس گھر آگئی۔ رات کے دس بجے فلیٹ کا دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا۔ پہلے گھنٹی اور پھر ایک بیحد لمبی دستک ہی سے وہ سمجھ گیا کہ جولی ہے۔ جولی پریشان بال جھٹکاتی ہوئی ہاتھ میں ایک سوٹ کیس اُٹھائے اندر داخل ہوئی اور اس کے کہنے سے پہلے بول پڑی۔" ڈارلنگ میں بہت تھک گئی ہوں اگر گھر میں کھانے کیلئے کچھ ہے تو فوراً دیدو۔ میں کھانا کھا کے سو جاؤں گی اور صبح تمہیں بتا دونگی۔"

کنول نے اس کیلئے ایک آملیٹ بنایا توس تیار کئے مکھن

جام اور چائے جو کچھ ملا اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ ایک بھوکی بلی کی طرح کھاتی گئی۔ پھر دونوں باہنیں اس کے سینے پر رکھ کر سوگئی۔ رات کو وہ آہستہ سے اُٹھا۔ ٹارچ جلا کر اس نے جولی کا سوٹ کیس کھولا۔ ایک کونے میں اسے پیرس کے فوٹو مل گئے۔ اس خوبصورت رنگین پارٹی کے، جولی نشے میں، جولی دوسروں کی باہنوں میں جولی چومتی ہوئی کسی دوسرے کو ..... یقیناً وہ اب اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔

باقی ساری رات اس نے جولی کے بستر پر بیٹھ کر گزاری یا ٹہل کر یا پی کر۔ اس نے جولی کے ساتھ اپنی بیتی ہوئی زندگی کا ہر رُخ سے ریویو کیا۔ پھر بھی وہ اپنے فیصلہ کو نہیں بدل سکا۔ وہ اپنے دائرے میں چل رہا تھا۔ مگر جولی ؟

سب ختم ہے۔

اِس آخری کھیل نے۔

بے درد ترکیب کو مکمل کر دیا۔

نقاب الٹ گیا۔

اور خدا کے زخم رگن لئے گئے۔

سب واپس۔

ہر طرف سنگلاخ مقبرے کا خلاء چھا رہتا ہے۔

بجھے ہوئے سورج میں زندگی نہیں۔
نہ رہا ایمان۔
نہ کوئی بلندی نہ پستی نہ نشان۔
حکایت بھی ختم۔
اس نے سوئی ہوئی جولی کے ماتھے پر آخری بوسہ دیا اور
بے آواز قدموں سے فلیٹ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

ختم شد